

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# اسرار السلوك

تصنيف

فتح الحديث والتفسير

محمد سامي غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

دامت بركاتہم العالیہ

ناشر

رحمۃ للعالمین پہلی کیشر بشیر کالونی سرگودھا

048-3215204-0303-7931327

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ضابطہ

اسرار السلوک	نام کتاب
شیخ الحدیث، القسیر	مصنف
پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری ششبدی	کمپوزنگ
طارق سعید قادری و کاشف سلیم قادری	صفحات
208	
تعداد 1100	بار اول جولائی 2009

ناشر رحمۃ اللعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا

## فہرست مضامین

جلک \_\_\_\_\_ 5

☆ حواصل ☆ تعریفات (نظریاتی بحث)

83 تا 6

☆ پہلا باب \_\_\_\_\_ 7 علم کی تعریف اور تفصیل

علم یا جہالت۔ حصول علم کے ذرائع۔ علم دین کی اقسام۔ بحث کیا ہے؟ معرفت کیا ہے؟  
تقد کیا ہے؟۔ کونسا علم لرض ہے؟۔ کونسا علم کتاب بن سکا ہے؟۔ عالم کی تعریف۔  
عالم اور جاہل ظہیب میں فرق۔ عالم بن کر رہنے کے آداب۔ استاذ کا ادب اور اس سے  
علم حاصل کرنے کا طریقہ۔ مائتس سطوات اور مواثی ترقی۔

☆ دوسرا باب \_\_\_\_\_ 30 تصوف کی تعریف اور تفصیل

دین کے نئی مختلف شعبے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد۔ قرآن کے عہد کا مقصد

☆ تیسرا باب \_\_\_\_\_ 40 نام نہاد صوفیاء کے فرقوں کا تعارف اور تفصیل

طولی عقیدہ کی تردید۔ تفضیلی رافضی عقیدہ کی تردید۔ وصال اور رقص کی تردید۔  
لامت کا صحیح ہاتھ اور اس کی تردید۔ دارما خیر میں قلندی۔ مولانا جلال الدین دہلوی کی وجہت۔  
مہلہین تصوف کی خدمت میں۔

☆ چوتھا باب \_\_\_\_\_ 55 تصوف پر وارو کیے جانے والے اعتراضات کی تردید

☆ حدود ☆ تصوف کے میدان میں

169 تا 75

☆ پہلا باب \_\_\_\_\_ 76 بیعت کر لینے کے بعد

مرشد کی ضرورت کیا ہے؟۔ بیعت کر لینے کے بعد۔ فقہ سیدنا موسیٰ و جعفر علیہما السلام۔  
آداب مریدی۔ اپنے ذاتی اسباق اور وظائف کی پابندی۔ حکام و کتاب صراط النجین۔  
سائیک کی بھڑی۔ بیعت کے بعد کیلیات۔ عقین کی دولت۔

☆ دوسرا باب اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے 115

حضرت سیدنا کبیر بن مالک ؓ کی توبہ کا راز تھ۔ دامن چھوڑنا چھ سکتا ہے۔  
بک جانا پڑتا ہے۔ اللہ والے بدل نہیں لیتے۔ غول اور امید۔

☆ تیسرا باب اصلاح نفس 131

نفس کے معنی۔ نفس کی اقسام۔ نفس کی اصلاح پر ایک اور مقالہ۔

☆ چوتھا باب کالمیین کے اوصاف 150

شریعت کی پابندی اور نماز۔ اخلاص۔ اخلاق۔ سخاوت اور مہمان نوازی۔  
خدمت۔ استقامتی۔ احکامات۔ تارے مرشد کریم شہودیؒ والے سامعین۔

☆ حصہ سوم ☆ اولیاء کے وصیت نامے اور تعلیمات کا خلاصہ

170 تا 204

☆ وصایا ہاشمیہ 171 ☆

کتوب سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری 179

☆ الوصیہ (شیخ اکبر قدس سرہ) 181 ☆

☆ غلام فوج الغیب 189 ☆

☆ سلسلہ طیبہ قادریہ 205 ☆

☆.....☆.....☆

## جھلک

فقیر غلام رسول قاسمی عرض گزار ہے کہ فقیر غود کو تصوف کے موضوع پر قلم اٹھانے کے قابل نہیں سمجھتا۔ ہوا اس طرح کہ چند سال قبل فقیر کو ایک اللہ کے پیارے نے نہایت ناکیدی غم فرمایا کہ تصوف کے موضوع پر کتاب لکھو۔

فقیر کی کوشش رہی ہے کہ اپنی کتب کی تصنیف سے پہلے استعارہ کرے۔ لیکن بزرگوں کے فرمان کے بعد استعارہ کرنے کو دل نہیں مانا تھا اور آپ کا فرمان استعارے کی اجازت کے قائم مقام نظر آتا تھا۔ پھر بھی فقیر نے تقریباً بیس صفحات کا ایک مضمون دستور السالکین کے نام سے شائع کر کے خانہ پر ہی عمل کر دی۔ لیکن جب آں بزرگ علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا تو غم کی عخیل نہ کرنے کا احساس دامن گیر ہوا۔ جس کے نتیجے میں ”اسرار السلوک“ نامی جسوس کتاب لکھنے کی فحانی واللہ العالیٰ۔

اس پر فتن دور میں کسی بھی موضوع پر قلم اٹھاتے وقت احتیاط سے کام لینا پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہو چکا ہے۔ فقیر نے اسی احتیاط کے پیش نظر ملائے کرام سے مشورہ کر لینا اپنی عادت بنا رکھا ہے اور یہ محض اللہ کریم جل شانہ کی توفیق اور مہربانی سے ہے۔ حضرت علامہ شیخ الحدیث والتفسیر محمد فضل رسول سیالوی صاحب دامت برکاتہم نے فقیر کی درخواست پر اس کتاب کے چھپنے سے پہلے اس کا مطالعہ فرمایا۔ مجموعی طور پر کتاب کو درست قرار دیا، مکمل پروف دینے تک فرمائی اور نہایت قیمتی مشوروں اور اصلاحات سے نوازا جزاء اللہ احسن الجزاء۔

اے اللہ! حیرانہ عاجز مسکین پر تقصیر بندھانے کے لیے پر بھی پشیمان ہے اور جو کچھ نہ کر سکا اس پر بھی پشیمان ہے۔ تجھ سے تیری ہی بناء میں آتا ہے اور تیرے سامنے تیرے محبوب نبی کریم ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ ہی پیش کرتا ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ رَوْفٍ مَّا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَّا لَمْ اَعْمَلْ

حصاؤل

# تعريفات

(نظرياتي بحث)

پہلا باب

# علم کی تعریف اور تفصیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

علم کا معنی ہے ادراکِ الشیء بحقیقہ یعنی کسی چیز کی حقیقت کو سمجھ لینا (مفردات) راجب صفحہ ۵۵-۳۔

علم کی بے شمار اقسام و انواع ہیں مثلاً طب، سائنس، ریاضی، جغرافیہ، معاشیات، سیاسیات، ادیان وغیرہ۔

ان علوم میں سے بعض کو علوم تو کہا جاتا ہے کہ مکروہ و راسل علوم نہیں بلکہ فنون ہوتے ہیں۔ مثلاً خطابت کا فن اور مختلف زبانیں سمجھ لینا اور شاعری وغیرہ۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ کل فن لا یقید علماً لا یعول علیہ یعنی ہر وہ فن جو علم کا نام نہ نہیں دیتا اس کی کوئی اہمیت نہیں (رسائل ابن عربی صفحہ ۱۹۹)۔

حضرت شیخ اکبر طیب الرحمن نے امام غزالی دین مازی طیب الرحمن کے نام خط لکھا۔ آپ نے فرمایا: عقل مند کو چاہیے کہ علم صرف ایسا حاصل کرے جس سے اس کی ذات کھل ہو ورنہ جہاں بھی جائے علم اس کے ساتھ عقل ہوتا چلا جائے۔ ایسا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص عطا اور مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً طب کا علم صرف اس علاقے میں قائم مند ہے جہاں مریض پائے جاتے ہوں اور اگر آپ کسی ایسے علاقے میں چلے جائیں جہاں کوئی مریض نہ ہو تو اس علاقے میں یہ علم بے فائدہ ہے (رسائل ابن عربی صفحہ ۱۹۲ رسالۃ الی الامام غزالی)۔

حضرت امام غزالی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: قیل لبعض الحكماء ان الاشياء لنفسی؟ قال الاشياء التي اذا غرقت سلینک سبحت معک یعنی العلم یعنی کسی حکیم

سے پوچھا گیا کہ آپ مجھے کون سی چیز تجویز فرماتے ہیں؟ فرمایا وہ چیزیں کہ جب تیری کشتی ڈوب جائے تو پھر بھی وہ تیرے ساتھ تیرتی رہیں یعنی علم (احیاء العلوم صفحہ ۷۷)۔

## علم یا جہالت؟

بعض علوم ایسے بھی ہیں جو مذہب یا نقصان دہ ہونے کی وجہ سے عین جہالت ہوتے ہیں۔ مثلاً جاوہ اور رقص۔ انہی کے بارے میں میں حدیث پاک میں ہے کہ ان من العلم جہلا۔ یعنی بعض علوم بھی جہالت ہوتے ہیں (مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۰)۔ انہی کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے۔ النما التوبة على الله للذين يعملون سوءا بجهالة يعني بے شک اللہ ان لوگوں کی توبہ ضرور قبول فرماتا ہے جو جہالت کی وجہ سے برا عمل کر بیٹھتے ہیں (النساء: ۷۷)۔

انہی تفسیر میں حضرت ثناء دہ تابی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اجمع اصحاب النبی ﷺ علی ان کل ما عصى به الله فهو جهالة یعنی ہر وہ علم جس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو وہ جہالت ہے (تفسیر بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۰۷)۔

بعض علوم غیر ضروری ہوتے ہیں اور ان سے محض وقت ضائع ہوتا ہے اور انسان اہم اور ضروری علوم سے رہ جاتا ہے۔ مثلاً علم التیوم اور علم اللادائل۔ حدیث پاک میں انہی کے بارے میں فرمایا کہ: من حسن اسلام المؤمن ترک ما لا ینفع یعنی کسی آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو ترک کر دے جن سے اس کا نفع نہیں۔

اس کے علاوہ علم پر عمل کے ترک کرنے کو بھی جہالت کہا گیا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ کریم فرماتا ہے: مثل الذین حمل التوراة لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفارا (المائدہ: ۵)۔

بے فائدہ علم ایسی مصیبت ہے کہ اس کو علم کہنے کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ حبیبہ کریم ﷺ نے فرمایا: اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع یعنی میں ایسے علم سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۶۷، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۵۳، ابن ماجہ صفحہ ۳۸۳)۔



حضرت ہایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ: عملت فی المجاہدۃ ثلاثین سنة فمما وجدت شیا اشد علی من العلم ومتابعته یعنی میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا اور مجھے علم اور اس پر عمل کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز مشکل نظر نہیں آئی (کشف المحجوب، صفحہ ۱۸، مشہاج العابدین، صفحہ ۷۱ اور رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۳۰)۔

حضرت مولیٰ علیہ السلام نے حضرت نصر علیہ السلام سے پوچھا: مجھے کوئی وصیت کریں۔ انہوں نے فرمایا: لا تتطلب العلم لتحديث به واطلبه لتعمل به یعنی علم اس لیے حاصل نہ کر کہ تو تفریر کرے گا بلکہ تو اس لیے حاصل کر کہ اس پر عمل کرے گا (بخاری جلد ۳ صفحہ ۷۷)۔

حضرت عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کیا وجہ ہے کہ لوگ اپنے صیب جاننے کے باوجود گج راہ کی طرف نہیں بولتے؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ یہ لوگ علم پر عمل کرنے کی بجائے علم پر فخر کرنے لگ جاتے ہیں (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۸۹)۔

حضرت شیخ المشائخ عینی بن سعاد رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس: العلماء الغافلين والفقراء المذاهبين والمنصوفة الجاهلين یعنی تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے بچو۔ غافل علماء، چالوسی پسند فقراء اور جاہل منصفیاء۔

غافل علماء وہ ہیں جو دنیا کمانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، عسکرانوں کے در کا طواف کرتے ہیں، لوگوں میں جاہ و جلال حاصل کر لینے کو اپنی معراج سمجھتے ہیں، غرور کرتے ہیں اور اپنی ذہانت پر غور و فریفتہ ہیں، اپنے کلام میں رقت اور سوز پیدا کرنے کے ٹکڑ میں رہتے ہیں، ان کے بزرگوں پر زبان طعن و داز کرتے ہیں اور ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اگر ترادو کے ایک پلڑے میں دونوں جہان کی نعمتیں بھی رکھ دو تو یہ لوگ اپنی بری حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔

مذہبت پسند فقراء وہ ہیں جو اپنی چالوسی کو پسند کرتے ہیں۔ اپنی خواہش کے خلاف ہر بات کو ناپسند کرتے ہیں خواہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو۔ مذہبت کا لفظ ذہن سے بنا ہے۔ ذہن کا معنی ہے عقل۔ مذہبت سے مراد ہے کہ من کا نام یعنی چالوسی کرنا۔

جہاں صوفیاء وہ ہیں جن کا کوئی چر و مرشد نہ ہو اور کسی بزرگ کی صحبت میں رہ کر انہوں نے باقاعدہ روحانی تربیت حاصل نہ کی ہو۔ پھر کا بیٹا یا بھتیجا و پھر وہ ہونے کی وجہ سے خود بخود بین بلائے مہمان کی طرح تھوڑے عرصہ کے درمیان کو پڑا ہو۔ ایسا شخص اگر کسی کو خلافت بخش دے تو وہ خلیفہ دنیا کا کیا حشر کرے گا، اس کا اعزاز آپ خود لگا سکتے ہیں۔

شیخ کامل پر لازم ہے کہ ان تینوں گروہوں کو اچھی طرح یاد رکھے اور اپنے مریدوں کو ان کی صحبت سے بچ کر رہنے کی تلقین کرے (تقریباً یہ ساری بحث کشف الکجب صفحہ ۱۸-۱۷ پر موجود ہے)۔

علم نہ ہونے کے باوجود خود کو عالم سمجھنا جہالت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ آج کے دور میں جو اچھا قاری ہو، جو اچھی مرزنگا لیتا ہو، جس کی آواز سُرلی ہو اور جو اچھا نصیحت خوان ہو وہ بڑے آرام سے ایک بہت بڑی مسجد سنجال کر بیٹھ سکتا ہے۔ کئی کئی سلسلوں سے خلافت حاصل کر لیتا تو ہاں ہاتھ کا کھیل ہے۔

ان لوگوں کا مقصد محض روزگار چلانا اور روٹی کمانا ہے۔ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے (طبقات صوفیہ صفحہ ۱۳۳)۔

گویا اب اصل علم کی تعریف یہ رہ گئی کہ: العلم نور فی قلب المؤمن مقیس من مصابیح مشکاة النبوة من الاقوال المحمدية والافعال الاحمدية والاحوال المحمودية یعنی یہ الہی انوار صفاتہ و العالو اسحکامہ یعنی علم ایک نور ہے جو مومن کے قلب میں موجود ہوتا ہے، قالوس نبوت کے طاق سے پھونکنے والے اقوال محمدیہ اور افعال احمدیہ سے حاصل کیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، افعال اور احکام کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے (مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۳۶۳)۔

## حصول علم کے ذرائع

علم حاصل کرنے کے تین ذرائع ہیں۔

۱۔ حواسِ خمسہ ۲۔ تجربہ صادق ۳۔ وحی۔ حواس اور تجربہ صادق کی بات تو ہر کوئی تسلیم

کر لیتا ہے، لیکن وہی کار یہ علم ہونا بعض لوگوں کو کھٹکتا ہے۔ ہم ایسے لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے بھی سچا خواب تو دیکھا ہوگا۔ یا کسی کو بیان کرتے سنا ہوگا کہ اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا دوسرے دن بعینہ حقیقت میں دیکھا۔ آخر یہ سچا خواب کیا چیز ہے اور کون یہ خواب دکھاتا ہے؟ ایک عام آدمی سچا خواب دیکھ سکتا ہے تو کسی غریب پر وہی کا آنا اور خدا کی طرف سے زندگی گزارنے کے آداب اور ہدایات فراہم ہونا مجھ سے بالاتر نہیں رہتا چاہیے۔

## علم دین کی اقسام

علم دین کی دو قسمیں ہیں۔ علم ظاہر اور علم باطن۔

**علم ظاہر:** علم ظاہر سے مراد شریعت کا علم ہے۔ شریعت کے چار ماخذ ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔

**علم باطن:** حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا: حفظت من رسول اللہ ؐ وعابین لہما الاول فہتہ واما الآخر لو بقتلہ لقطع هذا البعوم یعنی میں نے رسول اللہ ؐ سے دو علم سیکھے ہیں، ایک علم وہ ہے جو میں بیان کرتا ہوں اور دوسرا علم وہ ہے کا اگر میں بیان کروں تو میری گردن کاٹ دی جائے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳)۔

تمام انبیاء و رسل علم ظاہر و باطن دونوں کے جامع تھے۔ انبی کے توسط سے اولیاء کاملین کو بھی یہ دونوں علوم عطا ہوئے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ الزل القرآن علی سبعۃ احرف لکل آیت منها ظہر و بطن و لکل حد مطلع رواہ فی شرح السنۃ قرآن سات لگوں پر نازل ہوا ہے۔ ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور ہر حد کے لیے ایک مطلع ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۵)۔ اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: فوق کل ذی علم علیم یعنی ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے (یسف: ۷۶)۔ محبوب کریم ؐ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ علم رکھنے کے باوجود

فرماتے تھے: زبِ دُنیٰ علما اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔

اور ادا اور تکاتف کی ایک حد ہے، انہیں اللہ حق اور مگر اسب پڑھ سکتے ہیں۔ لطائف کی بھی ایک حد ہے، یہ ٹکوں کی آگ کی طرح ہے جو فوراً بجڑک جاتی ہے اور فوراً بجھ جاتی ہے۔ لا الہ الا اللہ کو سمجھنا ایک حد ہے، محمد رسول اللہ کو سمجھنا ایک حد ہے۔ لکھل حد مطلع ہر حد کی اطلاع پانے والے لوگ جدا ہدا ہیں۔

ایک ذکر وہ ہے جو زبان سے ہوتا ہے، ایک ذکر وہ ہے جو دل سے ہوتا ہے، ایک ذکر وہ ہے جو پورے بدن اور اعضاء سے ہوتا ہے، فقیر پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ محبوب کے مشاہدے میں مستغرق ہوتا ہے اور اس وقت زبانی ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ مشائخ عظیم الرضوان فرماتے ہیں کہ لا ذکر بعد العشاہد یعنی مشاہدے کے بعد ذکر نہیں ہے۔

عام آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر زبانی ادا کرتا ہے لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے پوچھا: ما حق الشکر؟ حیرے شکر کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے؟ اللہ کریم نے فرمایا: اذ اربیت النعمۃ منی فذلک حق الشکر یعنی جب تم نعمت کو میری طرف سے دیکھو تو یہ شکر کا حق ہے (رسائل ابن عربی، الوصیہ ص ۸۰۸)۔

حیرت والا فقیر بھی خاموش ہو جاتا ہے، مشاہدے والا بھی خاموش ہو جاتا ہے اور من عرف فزید کل لسانہ یعنی جو شخص اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اسکی زبان لنگ ہو جاتی ہے۔

ہم نے بعض محافل میں جا کر دیکھا ہے کہ سٹیج سیکرٹری یا مقرر تمام حاضرین سے اونچی آواز میں سبحان اللہ کہلاتا ہے، بعض دفعہ ایک یا دونوں ہاتھ کھڑے کر دیتا ہے، بعض نعت عثمان بھی ہاتھ کھڑے کراتے ہیں، بعض ہاتھ لہرانے کا کہتے ہیں، بعض کھڑے ہو جانے کا کہتے ہیں، ان میں سے بعض اسٹیج پر بیٹھے ہوئے مرید، علماء و مشائخ کو بھی یہی کچھ کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور زبانی بول بول کر کہتے ہیں کہ اسٹیج سے آواز نہیں آ رہی۔ ان انہن کو کچھ معلوم نہیں کہ کون سے شخص کی کوئی حد ہے۔ کوئی دل جلا ان کی ایسی باتوں کا کیا جواب دے گا۔ یہاں تو جو چیز پہلے دن متزل ہوئی ہے دوسرے دن وہی چیز حجاب ہوتی ہے۔

علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں اسی قدر گہرے سمندر ہیں کہ ہر غوطہ زن اپنی کھلی اور نصیب کے مطابق ان میں سے موتی وصول کر سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الناس معادن كمعادن الذهب و الفضة خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا ورواه مسلم یعنی لوگ سونے اور چاندی کی کان کی طرح الگ الگ استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں، ان میں سے جو جاہلیت میں بہترین تھے جب اسلام لانے کے بعد دین کی قدر حاصل کی تو ایسے لوگ اسلام میں بھی سب سے آگے نکل گئے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲)۔ یہ تجربہ شدہ بات ہے کہ بعض صلاحیت والے چدر ڈاکو اور بد معاش لوگ جب توپہر کے ساتھ طریقہ پر عمل پڑتے ہیں تو بہت مروجہ پرکھتے ہیں۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: العلم علما نفع العلم في القلب فذاك العلم النافع و علم على اللسان فذاك حجة الله عز وجل على ابن ادم ورواه الدارمی یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم وہ ہے جو دل میں ہوتا ہے، یہ علم نافع ہے۔ اور ایک علم وہ ہے جو زبان پر ہوتا ہے، یہ اللہ عزوجل کی بنی آدم پر حجت ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۷۳)۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جس نے قدر حاصل کی اور تصوف نہیں سیکھا وہ منافق ہے، جس نے تصوف سیکھا مگر قدر حاصل نہیں کی وہ زندقہ ہے اور جس نے ان دونوں چیزوں کو جمع کر لیا وہ محقق ہے۔

سیدنا قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ المعریہ فرماتے ہیں: لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اول جن کے پاس خدا جان ہے ندل، قائل محض۔ ایسوں کو موت دوم جن کے پاس زبان ہے دل نہیں، بے عمل ملای۔ ایسے منافقوں سے اللہ کی پتا۔ سوم جن کے پاس دل ہے زبان نہیں، عزت نفیس، غاسوٹ، اپنے محبوب پر نظر رکھنے والے۔ ایسوں کی ہم نشینی قائمہ دینا ہے۔ چہارم جنہیں عالم ملکوت میں عزت اور بزرگی حاصل ہے، خدائی اسرار و علوم کے امتین، اصلاح خلق پر مامور، انبیاء طہیم السلام کے جانشین، انسانیت کے جمیع خاص اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے مرتبے پر فائز۔ ان کی مخالفت مت کرو (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳۳ کا حاصل)۔

ایک دن آپ کے اجتماع میں کسی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی، آپ

نے اس کی ایک تفسیر بیان کی، پھر دوسری، پھر تیسری، حتیٰ کہ حاضرین کے علم کے مطابق اس کی گیارہ تفسیریں بیان کیں، پھر دوسری تفسیر کو شروع فرمایا حتیٰ کہ چالیس تفسیریں بیان فرمائیں اور ہر تفسیر کی سند متصل اور دلیل بیان کی اور ہر دلیل کی ایسی تفصیل بیان فرمائی کہ اہل اجتماع حیرت و تعجب میں غرق ہو گئے، اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قائل کو چھوڑ کر حال میں آتے ہیں، پھر آپ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، اس کلمہ تو حید کا زبان سے نکلتا تھا کہ حاضرین کے دل میں خودی و اضطراب موزن ہوا اور کپڑے پھاڑ کر ہنگل کی طرف نکل گئے (اختیار الاخیار صفحہ ۳۸)۔

حدیث پاک میں ہے کہ الباطن سر من اسرار اللہ عز وجل و حکم من حکم اللہ یقلد فی قلوب من یشاء من عبادہ یعنی باطن اللہ کے داندوں میں سے ایک دانہ ہے اور اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ذال و رب ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۶۹)۔

## حکمت کیا ہے؟

حکمت سے مراد مصلحت ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة یعنی حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ فرشتوں نے سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حکمت کو نہ سمجھا تو یہی کہا کہ سبحک لا علم لنا الا ما علمنا انک انت العظیم الحکیم یعنی تو پاک ہے، ہمارے پاس کچھ علم نہیں سوائے اسکے جو تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو علم والا حکمت والا ہے (البقرة: ۳۲)۔ اسی لیے اللہ کریم جل مجدہ کا ایک نام حکیم بھی ہے۔

انسان جب اپنی خداوار صلاحیت اور استعداد سے کام لے کر کسی حقیقی اور فیصلہ کن بات تک پہنچتا ہے تو اسے بھی حکمت کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے حکمت السیفیدائیں نے کشتی کو صحیح سمت پر چلایا۔ کشتی کو بہرہ پسنی اور مضطرب رہتی ہے مگر اسے صحیح رخ پر لے کر جانا حکمت ہے۔ اس اعتبار سے امت کی صحیح سمت میں راہنمائی کرنے والے عالم یا صوفی کو حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی سیاسی طور پر اصلاح کرے تو اسے حکیم نہیں کہا جاتا بلکہ حاکم کہا جاتا ہے۔ حاکم کا فیصلہ حکم ہوتا ہے اور حکیم کا فیصلہ حکمت ہوتا ہے۔ حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے اور حکمت کا

تعلق باطن سے ہوتا ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: **وَمَنْ يُوْتِي الْحِكْمَةَ فَقَدْ اَوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا** یعنی جسے حکمت دی گئی اسے غیر کثیر دی گئی (البقرہ: ۲۶۹)۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب تم دیکھو کہ ایک شخص دنیا سے بے درگفت ہے اور خاموش خاموش رہتا ہے تو اس کے قریب ہو جاؤ، اسے حکمت عطا کی گئی ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۶)۔

بعض علماء نے حکمت سے مراد فلاحی ہے (بنو جلد ۱ صفحہ ۱۱)۔ حضرت مجاہد جالبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن کا فہم ہے فال مجاہد: **فهم القرآن** (بنو جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)۔

بعض علماء نے حکمت سے مراد سنت لی ہے۔ حدیث محض قول کو کہتے ہیں جبکہ سنت ایک حقی اور قابل عمل چیز کا نام ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ حکمت سے مراد کسی بات کے پس منظر میں بھی ہوئی مصلحت ہو یا اس سے مراد فلاح ہو یا اس سے مراد سنت ہو، تینوں باتوں میں ایک ہی روح موجود ہے۔

بیضاوی میں سورۃ بقرہ آیت ۱۲۹ **يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ** کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: **الحكمة ما اكمل به نفوسهم من المعارف والاحكام** یعنی حکمت وہ چیز ہے جس سے لوگوں کے نفوس، معارف اور احکام سے لبریز ہو جائیں (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۸۷)۔ دوسری جگہ پر سورۃ آل عمران آیت ۱۶۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: **يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ** ای القرآن والسنة یعنی حکمت سے مراد سنت ہے (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)۔ تیسری جگہ پر سورۃ جملہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: **يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ** ای القرآن والشریعة او معالم الدين من المنقول والمعتول ولو لم یکن سواہ معجزة الکفاء یعنی حکمت سے مراد شریعت اور دین کے منقول اور معتول اسرار و رموز ہیں کہ اگر معجزات نہ بھی دکھائے جاتے تو یہ کافی ہوتے (بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۳۹۲)۔

**معرفت کیا ہے؟**

علم باطن کی باریکیوں کو سمجھ لینا معرفت ہے۔ **المعرفة والعرفان ادراك الشئ**

بتذكروا تدبروا لا تروا وهو المخلص من العلم وفضاده الانكار يعني کسی چیز کے نتیجے پر پہنچنے کے لیے اس میں غور و خوض کر کے اس کا ادراک حاصل کرنا معرفت اور عرفان ہے اور یہ علم سے انحصار ہے (یعنی ہر معرفت علم ہے اور ہر علم معرفت نہیں ہے) اور اس کی ضد انکار ہے (مفردات صفحہ ۳۳۳)۔

امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علماء کی زبان میں معرفت علم کو کہتے ہیں لہذا ہر علم معرفت ہے اور ہر معرفت علم، اور ہر شخص جو عالم باللہ ہے وہ عارف باللہ بھی ہے۔ ہر عارف عالم بھی ہے، مگر صوفیاء کے نزدیک معرفت ایک ایسے شخص کی صفت ہے جو حق تعالیٰ کو اس کے اسما اور صفات کے ساتھ پہچانے۔ اس کے بعد اللہ کے ساتھ تمام معاملات میں سچا اور اخلاص والا ہو۔ پھر اپنے رذی اخلاق اور آفات نفس سے پاک ہو۔ اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر ایک طویل عرصہ کے لیے ٹھہرا رہے۔ اور وہ اپنے دل سے (اسی دروازے) پر محکف رہے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اسے یہ خوش بختی حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف اپنی توجہ دے گا۔ اور وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے غلوں و صدقِ دل سے عمل پیرا ہوگا۔ اور اس سے خواہر نفس (فحشاء و نیلات) پیش آنے بند ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنے دل کے کسی ایسے خاطر (خیال) کی طرف توجہ نہ دے گا جو غیر اللہ کی طرف دعوت دے۔ چنانچہ جب بندہ مخلوق سے اجنبی ہو جائے اور آفات نفس سے بری اور ساکنات اور ملاحظات سے پاک ہو جائے اور راز میں وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں رہتا ہو اور ہر لمحہ اللہ کی طرف اس کا رجوع کرنا ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ باتیں کرے، اس طرح کہ ان تمام تقدیروں کے درود بدل کا راز جو اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، وہ اسے بتا دے جب جا کر بندہ عارف کہلاتا ہے اور اس کی حالت معرفت کہلاتی ہے۔ مختصر یہ کہ جس قدر انسان اپنے نفس سے بیکار نہ بنے گا۔ اسی قدر اسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگی (رسالہ قشیریہ صفحہ ۵۵۸)۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب مجھ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے تو میں کچھ ہانتا ہوں، اس لیے کہ میں اس کا اثر اپنے گمے اور خادم میں محسوس



کرتا ہوں) (رسالہ قیصر ص ۷۷)۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ شخص جو کسی چیز کا معنی اور اس کی حقیقت کا عالم ہو اس کا نام عارف رکھا گیا اور وہ شخص جو صرف عبارت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے نا آشنا ہو اس کا نام عالم رکھا گیا ہے (کشف المحجوب ص ۴۲۲)۔

حضرت حمید بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا عارفین اللہ کے سامنے اپنی کیا حاجت پیش کرتے ہیں؟ فرمایا: اللہ کے پاس ان کی صرف یہ حاجت ہوتی ہے کہ اللہ ان کی تکہ بانی کرے اور ان کا خیال رکھے۔ حضرت محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عارفین کو صرف استقامت کی احتیاج ہوتی ہے (کتاب الصبح ص ۷۲)۔

فقہ کیا ہے؟

علم ظاہر کی باریکیوں کو سمجھ لینا فقہ ہے۔ فقہ کی تعریف یہ ہے کہ هو التوصل الی علم غائب بعلم شائد وهو احصاء العلم یعنی یہ دستیاب علم کے ذریعے غائب علم تک پہنچنے کا نام ہے اور یہ علم کی ایک مخصوص شاخ ہے (مفردات راغب ص ۳۹۸)۔

لیکن امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: هو معرفۃ النفس مالمها وما علیہا یعنی خود نفس کی معرفت کا نام ہے کہ اس کے کیا حقوق ہیں اور کیا فرائض۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی جو تعریف بیان فرمائی ہے اس کی روشنی میں فقہ اور تصوف میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کی روحانی فراست کے مالک تھے۔ محقق اسی کو کہا جاتا ہے جو تصوف اور فقہ کو باہم جمع کر کے دکھا دے۔ ومن جمع بینہما فقد تحلق۔

ایک مرتبہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نہریہ وضو فرما رہے تھے۔ اوپر کی طرف ایک آدمی وضو کر رہا تھا۔ اس کے وضو کا پانی جب آپ کے سامنے سے گزرا تو آپ نے فرمایا اسے شخص تجھے شرم نہیں آتی جم لگاں قسم کا منہ کرتے ہو؟ اس نے پوچھا آپ کو میرے منہ کا کیسے علم ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان وضو کرتا ہے تو اس کے منہ کا وضو کے پانی میں بہہ

جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جہاد سے دھوکا پائی جہاد سے اس گناہ کو بہا کر میرے سامنے سے گزرد رہا تھا۔ (حدیث شریف میں ہے: اتقوا اضرار الصومن فانہ ينظرونك بنور اللہ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔) اس کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ یہ کرامت مجھ سے واپس لے لے۔ میں لوگوں کے گناہ دیکھتا پسند نہیں کرتا۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نادر اصولی اس طریقت شانی عظیمہ داشت یعنی امام اعظم اس طریقت کے اصولوں میں عظیم شان کے مالک تھے (کشف الکجب ص ۹۸)۔

حضرت یحییٰ بن معاذ مازنی قدس سرہ المعریز نے خواب میں محبوب کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا عند علم ایسی حنیفۃ یعنی ابو حنیفہ کے علم کے پاس (کشف الکجب ص ۱۰۱)۔

شیخ اکبر قدس سرہ المعریز لہتقیہو اہی الدین کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اگر سب لوگوں کے لیے علم حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم استعداد رکھنے والے افراد پر واجب ہے کہ علم حاصل کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ ظاہری علم دنیاوی ضروریات اور مصلحتوں کے قائل نظر ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا اور باطنی علم حاصل کرنے کی استعداد ہر شخص میں نہیں ہوتی۔ دین کی فلاح کا تعلق قلبی علوم سے ہے نہ کہ کسی علوم سے۔ علم حاصل کرنے والا ہر شخص فقیہ نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وجعلنا علی قلوبہم اکتۃ ان یفقیہوہ یعنی ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں وہ فقہ نہیں رکھتے (الانعام: ۲۵)۔ لہذا جو شخص فلاح حاصل کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں نکل کھڑا ہو اور ترقیہ و صفائی کی راہ پر چل پڑے حتیٰ کہ علم اس کے قلب سے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر پر وحی نازل فرمائی کہ: ”اے بنی اسرائیل یہ مت کہو کہ علم آسمان میں ہے اسے وہاں سے کون اتارے گا، یا علم زمین کی تہ میں ہے اسے کون اوپر لائے گا، یا علم سمندر کے پار ہے اسے کون منگوائے گا، بلکہ علم جہاد سے دلوں میں ڈالی جانے

والی چیز ہے، میرے سامنے بیٹھ کر روحانیت کے آداب سمجھو، اور محدثین کے اخلاق اپناؤ، میں تمہارے دلوں میں علم ظاہر کروں گا حتیٰ کہ وہ تمہیں احباب لے گا اور تم پر چھا جائے گا۔

لہذا حق سے مراد وہ علم ہے جو قلب میں رچ بس جائے، اس کی رگوں کے ذریعے نفس میں اتر جائے، اس کا اثر انسانی اعضاء اور جوارح پر ایسا ظاہر ہو کہ انسان اپنے اس علم کے خلاف کسی چیز کا ارتکاب نہ کر سکے، ورنہ وہ عالم نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو فقیر نہیں کیا جس پر اللہ کا خوف نہیں بلکہ انسانوں کا خوف غالب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا نسلم اشد و ہبة فی صدورہم من اللہ ذلک بالہم قوم لا یفقیہون یعنی ان کے دلوں میں اللہ کی بجائے غیر کا خوف غالب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقیر نہیں رکھنے (الحشر: ۱۳)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اسی لیے ارشاد فرمایا ہے کہ عالم کے لیے اللہ کا خوف لازم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یخشى اللہ من عباده العلماء، یعنی اللہ کے بندوں میں سے صرف وہی لوگ اس سے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں (فاطر: ۲۸)۔ (تفسیر ابن عربی جلد ۱ صفحہ ۲۹۷)۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ علم ظاہر کی بارکیاں اور علم باطن کی بارکیاں آپس میں ایک ہو چکی ہیں، اس لیے کہا جاتا ہے کہ طریقت، شریعت سے جدا نہیں۔ لیکن یہ بات مبتدی طالبوں کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ کبھی پہنچ کر رب زانی علماء پڑھا جائے تو مزہ ہے۔ یہاں تک پہنچنے والا شخص صاحبِ حشمت ہوتا ہے ورنہ اس سے پہلے پہلے حشمت ہی رہتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام صاحبِ حشمت ہوتے ہیں۔

علم باطن کے ماہرین میں سے بعض اسی میں فرق ہو جاتے ہیں اور ان کو حضرت خضر علیہ السلام بھی نہیں پہچانتے، مگر وہ مہذب نہیں ہوتے۔ ان میں سے بعض کو داپس لوٹا کر صاحبِ ارشاد بنادیا جاتا ہے۔

## کونسا علم فرض ہے؟

اپنی ضرورت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ مثلاً نماز، روزہ کا علم اور مسائل اور اپنے نفس کی واضح حد تک رہا کاری، تکبر اور حسد جیسی روحانی بیماریوں سے اصلاح کو

جانتا اور اپنے اندر اخلاص پیدا کرتا۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (ابن ماجہ ص ۴۰، مستدرک امام اعظم ص ۴۰)۔

نیز فرمایا کہ: ذنب العالم واحد و ذنب الجاهل ذنبان یعنی عالم اگر گناہ کرے تو یہ ایک ہی گناہ ہے لیکن اگر جاہل گناہ کرے تو یہ دو گناہ ہیں، ایک خود گناہ اور دوسرا علم حاصل نہ کرنے کا گناہ (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۷۶)۔

حضرت امام زہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: العلم ذکر ولا یحبه الا ذکر ان الرجال یعنی علم نہ کرے اور اسے مرد ہی پسند کرتے ہیں (احیاء الموات ص ۷۱)۔

اسلام کے اہم احکام اور اچھے برے کی تمیز ہر دور میں سیدہ سیدائے گئے منتقل ہوتی رہتی ہے۔ یہی دین کا تواتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: علیکم بدین العجائز یعنی بوڑھی عورتوں کے دین پر کار بند رہو (البیہاقیت والنجاء ص ۸۰)۔

حضرت علامہ ابو العالی الجونی علیہ الرحمہ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا کہ: میں عقائد اور نظریات کی لمبی بحث سے تنگ آ کر اپنی ماں کے عقیدے پر مرنے لگا ہوں، یا شاید فرمایا کہ عیثا پور کی بوڑھی عورتوں کے عقیدے پر مرنے لگا ہوں، ہا انا ذا موت علی عقیدۃ امی، او قال علی عقیدۃ عجائز اہل نيسابور (مقدمہ شرح فقہ اکبر ص ۷)۔

## کونسا علم حجاب بن سکتا ہے؟

یہی علوم جو یا تو جہالت ہیں یا لامعنی ہیں، یا وہ فنون ہیں، یا پھر ان پر عمل نہیں، یہ سب محض حجاب ہیں۔ منطق کی جھج بندیاں بھی حجاب کے سوا کچھ نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صوفی اور کبریتی کو طائر جو تہجد نکالا جاتا ہے وہ بالکل خلاف واقعہ ہوتا ہے اور امت میں انتشار کا سبب بنتا ہے۔ علم معاشرہ اگرچہ فرض کفایہ ہے مگر یہ بھی بعض اوقات چڑ اور عناد کا سبب بنتا ہے اور اللہ بندے کے درمیان حجاب بنارہتا ہے۔ بعض لوگ اپنے علم کی بناء پر اپنے فطی کی کسی بات پر اعتراض کر دیتے ہیں اور ان کے لیے ان کا علم حجاب بن جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے جاہل کا

## عالم کی تعریف

صحیح عالم وہ ہے جو عارف ہو۔ جتنا کوئی اللہ کو پہچانتا چلا جاتا ہے اتنا ہی اللہ سے ڈرنے لگتا ہے۔ اسی لیے محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: ان اتقاكم واعلمكم بالله ما يعني میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (بخاری حدیث نمبر ۲۰)۔

نیز فرمایا اَنَا أَخْلَفُهُمْ بِاللَّهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهْ عَشْيًا یعنی میں سب لوگوں سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰۱، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۱)۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے اوپر ترجمۃ الباب میں لکھا ہے کہ المعروف فعل القلب یعنی معرفت دل کا فعل ہے۔

اللہ کریم کا ہر شمار ہے: أَنَا أَنُحْشِي اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْفَلَاخِي یعنی اللہ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علماء ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ من عشي الله فهو عالم یعنی جو اللہ سے ڈر گیا وہ عالم ہے (دارمی صفحہ ۱۳)۔ اللہ کریم فرماتا ہے: ان الذين اوتوا العلم من قبله اذ ابتلى عليهم بعمرون للاذقان سجدوا یعنی بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب ان پر آیاتِ عبادت کی جاتی ہیں تو وہ غولڑیوں کے مثل سجدے میں گر جاتے ہیں (اسراء: ۱۰۸، ۱۰۹)۔ حضرت مجاہد تاہی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انما القليل من يخاف الله یعنی نفعیہ وہ ہے جو اللہ سے خائف رہتا ہو (دارمی صفحہ ۱۰۶)۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لا يكون الرجل عالما حتى لا يحسد من فوقه ولا يحقر من دونه ولا يفتني بعلمه لئلا يعني کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں بن سکتا جب تک اپنے سے اوپر والے سے حسد نہ چھوڑ دے اور اپنے سے نیچے والے سے عداوت نہ چھوڑ دے اور اپنے علم کے ذریعے دولت کما نہ چھوڑ دے (دارمی صفحہ ۱۰۵)۔ ایسے ہی علماء کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وزن حبر العلماء بدم الشهداء فرج علیہ یعنی علماء کی روایت کی سیاہی کو شہیدوں کے خون کے ساتھ

تولا گیا تو علماء کی سیاسی غالب آگئی (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۶۱، ۷۵)۔ نیز فرمایا:  
فجاءتہ العلمای عبادۃ یعنی علماء کے پاس بیٹھنا عبادت ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۶۳)۔

## عالم اور جاہل خطیب میں فرق

حبیبہ کریم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان الله لا يقبض العلم بقبض العلم انتزاعا ينتزعه من الناس و لكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يترك عالما اتخذ الناس زعماء بغير علم فاستلوا فانتموا بغير علم فضلوا واضلوا یعنی اللہ تعالیٰ علم کو کھینچ کر نہیں لے جائے گا بلکہ علماء کے علم ہوجانے سے علم ختم ہو جائے گا، حتیٰ کہ کوئی عالم نہ بچے گا، لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے، ان سے سوال کیے جائیں گے، وہ علم کے بغیر جواب دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۶، ۱۰۸، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۰)۔

نیز فرمایا: لیتین علی الناس زمان کثیر امر الہ قليل فقہاء کذاب عطاءہ مراءون قرانہ یظفہون فی غیر الدین یا کلون الدین کما تاكل النار الحطب، الا وان النار مٹوی انہم وینس للظالمین منز لا یعنی لوگوں پر ایک وقت ضرور آئے گا جب ایڑہ کثرت سے ہوں گے مگر فقہاء قلیل ہوں گے، خطیب حضرات بھوٹے ہوں گے، قاری حضرات زیادہ کار ہوں گے، لوگ دین کے علاوہ دوسرے علوم میں مہارت حاصل کریں گے، دنیا کا مال اس طرح کھائیں گے جس طرح آگ ایچہ من کو کھاتی ہے، خبردار ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور نکالوں کی منزل بری ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۹۰)۔

ایک حدیث میں ہے کہ: سیاتی علی الناس زمان قليل فقہاء کثیر عطاءہ یعنی لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ فقہاء کم ہوں گے اور خطیب زیادہ ہوں گے (طبرانی حدیث نمبر ۳۱۱۱، حیاہ العلوم صفحہ ۱۵)۔

نیز فرمایا: ان اصوف ما اصاب علی امی کل منافع علوم اللسان یعنی مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ خوف ہر ایسے منافع کا ہے جو زبان چلانے میں ماہر ہوگا (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۱)۔ اکثر منافعی امی قراءہا یعنی میری امت کے اکثر منافع اس امت کے

قاری ہوں گے) کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۱)۔

نیز فرمایا: ما من عبد یخطب خطبۃ الا اللہ سائلہ عنہا ما اورد بها یعنی ہر خطیب جب بھی تقریر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ضرور پوچھے گا کہ اس سے تمہاری نیت کیا تھی؟ (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۳)۔ من تعلم العلم مما یتغنی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عر ضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامۃ یعنی علم اللہ کی رضا کے لیے حاصل کی جانے والی چیز ہے، مگر جس نے دنیا کمانے کے لیے علم سیکھا وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۵۰، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۹، ابن ماجہ صفحہ ۲۲)۔

ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کسی مسجد میں داخل ہوئے۔ آگے ایک آدمی تقریر کر رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آدمی وعظ فرما رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وعظ نہیں کر رہا بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں فلاں ایمن فلاں ہوں مجھے بچکان لو۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بلوایا اور فرمایا کیا تم ناخ و منسوخ کا علم جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا فاعرج من مسجدنا ولا تذکر فیہ ہماری مسجد سے نکل جا اور یہاں وعظ مت کر (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۳)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب بصرہ میں وارد ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے واعظین کو وعظ کوئی سے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ ان کے منبر توڑ کر پھینک دو۔ لیکن صرف حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ کا امتحان لینے کے بعد انہیں وعظ کرنے کی اجازت دی (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۷۱)۔

علماء فرماتے ہیں کہ لا یجوز للرجل من العوام ان یأمر بالمعروف للنفاذی والمفسد والعالم الذی اشتهر لاندہ اسالۃ فی الادب یعنی عوام میں سے کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی معروف قاضی، مفتی اور عالم کو تبلیغ کرے، یہ بے ادبی ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۵۳)۔ یحییٰ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مرید اپنے شیخ پر بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔

عالم بن کر رہنے کے آداب

العلماء امتاء الرسل مالم یخالطوا السلطان ویدخلوا الدنیا فاذا خالطوا

المسلطان و داخلوا الدنيا فقد عاثوا الرسل فاحذروهم یعنی علماء رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امین ہوتے ہیں جب تک حکمرانوں سے میل جول نہ رکھیں اور دنیا دار نہ ہو جائیں، لیکن جب علماء حکمرانوں سے میل جول رکھتے ہیں اور دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں تو وہ رسل کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے خیانت کرتے ہیں، ایسے علماء سے بچنے کے رہو (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۰)۔ اذاریتم العالم بخلط السلطان مخالطة كثيرة فاعلم انه لص یعنی جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ حکمران کے ساتھ کثرت سے میل جول رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ چدر ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۱)۔ ان الله تبارك وتعالى يفض العالم الدنيا و جاهل الآخرة یعنی بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ اس شخص سے بغض رکھتا ہے جو دنیا کا عالم ہو اور آخرت کا جاہل ہو (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۲)۔ ان ابغض الخلق الى الله العالم يزور العمال یعنی اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ ناپسند وہ عالم ہے جو حکومتی کارندوں سے ملاقات کرنے جاتا ہو (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۲)۔ انما اختلف على امتي الائمة المفضلين یعنی میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ پیشواؤں سے خائف ہوں (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۷۴)۔ ليس العی عی اللسان ولكن قللة المعرفة یعنی جہالت کا مریض وہ نہیں جسے زبان چلاتی دلاتی ہو بلکہ جہالت کا مریض وہ ہے جسکے پاس معرفت کی کمی ہو (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۸۲)۔ ان ابغض الخلق الى الله تعالى عالم السلطان یعنی بے شک اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند سرکاری عالم ہے (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۹۱)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یرہم الاسلام ذلة عالم و جدال منافق بالقرآن و الامة مضلون یعنی اسلام کو گمراہ دینا ہے عالم کا بھل جانا، منافق کا قرآن کے ذریعے جھگڑا کرنا اور گمراہ حکمران (فارسی صفحہ ۱۷۹)۔

سلیمان بن عبد الملک نے ابو حازم علیہ الرحمۃ کے ساتھ طویل گفتگو کی۔ سلیمان نے پوچھا سب سے مجھدار کون سا ہے؟ ابو حازم نے کہا وہ آدمی جو اللہ کی اطاعت کرے اور لوگوں کو بھی اس پر لگائے۔ سلیمان نے پوچھا کون سا مومن احمق ہے؟ ابو حازم نے کہا جو دوستوں کی



نفسانی خواہشات پوری کرتا رہا اور دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت تباہ کر لے۔ سلیمان نے کہا آپ ہماری صحبت میں رہیں تاکہ ہم تباہ نہ کھال کر رہیں۔ ابو حازم نے فرمایا احموز بائد۔ میں ایک بادشاہ کی صحبت میں رہ کر اس کی طرف ہٹل ہو گیا تو نذاعہ رہوں گا نہ مردہ۔ سلیمان نے کہا کوئی حاجت ہو تو مجھے بتاؤ؟ ابو حازم نے فرمایا مجھے جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل کرو۔ سلیمان نے کہا یہ میرے بس میں نہیں۔ فرمایا میری کوئی اور حاجت نہیں (داری صفحہ ۱۷۶)۔

حبیبہ کریم ﷺ نے فرمایا: لا یغنی للعالم ان یکون قلیل الضحک کثیر البکاء لا یعازح ولا یصاحب ولا یماوی ولا یجادل ان تکلم تکلم بحق وان صمت صمت عن الباطل وان دخل دخل برفق وان خرج خرج بعلم یعنی عالم کی شان یہ ہے کہ کم ہنسے، زیادہ روئے، غافل نہ کرے، چٹخی نہ کرے، بے خوف نہ بنائے، مٹھلا نہ کرے، جب بولے تو حق کے ساتھ بولے، جب خاموش رہے تو غلط بات سے خاموش رہے، جب داخل ہو تو رفق و محبت کے ساتھ اور جب نکلے تو علم اور بردباری کے ساتھ (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۶)۔

## استاد کا ادب اور اس سے علم حاصل کرنے کا طریقہ

سید علی المرتضیٰ ﷺ نے فرمایا: ان من حق العالم ان لا ینکثر علیہ السؤال ولا ینتہ فی الجواب، وان لا تلح علیہ اذا عرض، ولا تأخذ بطوہ اذا کسل، ولا تشیر الیہ بیدک، وان لا تغمزہ بعینیک، وان لا تسال فی مجلسہ وان لا تطلب زلفہ وان زل، تأتیت لو ینتہ و قبلت فیستہ، وان لا تقول قال فلان خلاف قولک وان لا تفسی لہ سرا، وان لا تختاب عندہ احدا، وان تحفظہ شایدا وغایبا وان تعم القوم بالسلام وان تخصہ بالتحیہ، وان تجلس بین یدیه وان کانت لہ حاجۃ سبقت القوم الی خدمتہ وان لا تمزج من طول صحبہ انما هو کالنخلۃ تنظر منی یسقط علیک منها منفعۃ، وان العالم بمنزلة الصائم المجاہد فی سبیل اللہ، فاذا مات العالم انشطت فی الاسلام قلمۃ لا تسد الی یوم القیامۃ و طالب العلم یشیعہ سبعون القامن مقر فی السماء یعنی عالم کا ادب اس طرح کرو کہ اس پر زیادہ سوال نہ کرو اور اسے مت تنگناؤ، جب اس کی طبیعت ہٹل نہ ہو تو اس

کے پاس مت بیٹھو، جب وہ تھک جائے تو اس کا کپڑا مت کھینچو، اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ مت کرو، اپنی آنکھوں سے اس کے ساتھ باتیں مت کرو، اس کے خطاب کے دوران اس پر سوال نہ کرو، اس کی غلطیاں تلاش مت کرو، اگر اس سے لفظی ہو جائے تو اس سے فوری نہ گزر کرو، اسے یہ مت کہو کہ فلاں آپ کے قول کے خلاف کہتا ہے، اس کا کوئی برا لاٹھ نہ کرو، اس کے سامنے کسی کی نصیحت نہ کرو، اس کے سامنے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کا تحفظ اور دفاع کرو، دوسرے لوگوں کو الگ سلام کہو اور اسے خصوصی سلام کہو، اس کے سامنے بیٹھو اور اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو سب لوگ اس کی خدمت کے لیے بھاگ پڑیں، اس کی صحبت میں زیادہ دیر بیٹھنے سے مت انکساف اس لیے کرو کہ مجھ کے درخت کی طرح ہے خدا جانے کب اس سے پھل گرے، عالم روزہ دار مجاہد کی طرح ہے، جب عالم فوت ہو جاتا ہے تو اسلام میں ایک سودا خ ہو جاتا ہے جو قیامت تک بھر نہیں سکتا، ستر ہزار مقرب فرشتے طالب علم کے نام کو شہرت دیتے ہیں (کنز العمال جلد ۱۰ صفحہ ۳۳)۔

حضرت سلیمان نے فرمایا: لا یزال الناس بخیر ما بقی الاول حتی یتعلم الآخر، فاذا هلک الاول قبل ان یتعلم الآخر هلک الناس یعنی لوگ اس وقت تک بھلائی پر قائم رہیں گے جب تک ایک عالم اپنی زندگی میں دوسرا عالم تیار کرتا رہے گا، لیکن اگر ایک عالم دوسرا عالم تیار کیے بغیر فوت ہو گیا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے (بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۳)۔

وکان ابن عباس یاتی باب الانصار لطلب الحدیث لیقعہ علی الباب حتی یمخرج ولا یستأذن، فیخرج الرجل ویقول یا ابن عم رسول اللہ لو احضرتنی، فیقول: ہکذا امر فان لطلب العلم، واذ اوقف فلا یبصر من شق الباب اذا کان الباب مردوداً یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ انصار کے دروازوں پر حدیث سیکھنے آتے تھے اور دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ آپ خود دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے جب تک صاحب خانہ خود گھر سے نہ نکلتا۔ جب صاحب خانہ باہر نکلتا تو کہتا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زبیر بھائی، آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی، وہ فرماتے ہمیں اسی طرح علم سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جب آپ دروازے

کے باہر کھڑے رہتے تو اگر دورانہ بند ہوتا تو دورانے کے سوراخ میں سے اُغد نہیں دیکھتے تھے۔ (بخاری جلد ۳ صفحہ ۷۳۷)۔

اسی طرح کی ایک حدیث داری میں بھی موجود ہے۔ اس میں اضافی الفاظ یہ بھی موجود ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ان کے دورانے پر چادر بچھا کر لیٹ جاتا تھا اور میرے منہ پر سنی پڑتی رہتی تھی (داری صفحہ ۱۶۱)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما ٹخمر پر سوار ہونے لگے تو ابن عباس نے ان کی رکاب تھام لی۔ انہوں نے فرمایا اے رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو بھائی اسے چھو دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہمیں طہارہ اور کبار کا اسی طرح لوب کرنے کا حکم ہوا ہے (الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۶۴۲)۔ بعض کتابوں میں اس سے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہاتھ چوم لیا اور فرمایا ہمیں اپنے نبی ﷺ کے اہل بیت کا اسی طرح لوب کرنے کا حکم ہوا ہے (کنز العمال جلد ۱۳ صفحہ ۷۱۷، احیاء علوم جلد ۱ کتاب العلم)۔

## سائنسی معلومات اور معاشی ترقی

انسانی جسم کی ساخت (Anatomy) سے متعلق تحقیقات، کائنات کے سائنسی اسرار و رموز سے آگاہی اور زمین کی جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کے بعد اگر اللہ کریم جل شانہ کی عظمت اور کارنامہ نگری کا اعتراف کیا جائے اور ربنا ما خلقت هذا باطلاً زبان پر جاری ہو جائے تو ایسی معلومات صحیح علم کے زمرے میں آئیں گی لیکن اگر یہی معلومات مادہ پرستی اور خدا سے دوری کا سبب بن جائیں تو یہ یمن جہالت، وقت کا ضیاع اور آخرت کا عذاب ہوں گی۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ صحیح معنی میں علم، دنیا میں کس کے پاس موجود ہے؟ نیکی سے آپ کو یہ اندازہ لگی ہو جانا چاہیے کہ جہاز، ساکن، میزائل اور ایٹم بم بنالینے کا نام ترقی نہیں اور نہ ہی کثرت سے دولت کما لینے کا نام ترقی ہے بلکہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے کا نام ترقی ہے۔ اگر مہلک ہتھیار بنالینا ہی ترقی ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ قتل و کشتار کرنے کا نام ترقی ہے۔ اگر صحیح معنی میں ترقی ہوتی تو ہتھیار بنانے والے لوگ ایسے ہتھیاروں کے استعمال پر

پابندی لگانے کا بھی ذمہ ہے۔

کار کو بھی مارے ہی المریج روٹی وی اور چٹک بٹلس سب کچھ موجود ہو مگر رات سونے کے لیے نیند کی گولیاں کھانا پڑیں اور انسان خدا سے غافل ہوتا چلا جائے تو ایسے بد بخت سے وہ شخص ہزار گنا بہتر ہے جو سارا دن محنت مشقت کے بعد رات کو اپنے معمولی سے گھر میں آ کر ٹکھ کی نیند سو یا کرتا ہو اور کبھی کبھی اپنے رب کو بھی یاد کر لیا کرتا ہو۔

اور اگر سہولیات حاصل کرنے کا نام ترقی ہے تو یاد رکھیے کہ جب سے سہولیات زیادہ ہوئی ہیں، سستی اور کالی نے انسانوں کو بوجھ لیا ہے اور چاریاں پسینے لگی ہیں۔

ہم نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہمارے گھروں میں صرف صبح شام کھانا پکنا تھا۔ دوسرے کو اگر کسی کو بھوک ہوتی تو صبح کی پٹی ہوئی روٹی میں سے ماں ایک ایک ٹکڑا سب کچھ بھانجوں کو توڑ کر دے دیتی تھی۔ بچے اسے لسی سے کھا لیتے تھے۔ زیادہ تلف کرتے تو یہ ازکات کر یا لال مرغ پانی میں گھول کر پاٹریوزے وغیرہ کے ساتھ وہ روٹی کھائی جاتی تھی اور محال ہے کہ کوئی شخص ایسی روٹی کو بھوک سے زیادہ کھا سکے۔ سالن صرف رات کو پکنا تھا۔ جس دن چاول یا ستو پختے تھے اس دن روٹی نہیں پکائی جاتی تھی۔ اس غذا کو کھا کر دل لگا کر محنت اور مشقت بھی کی جاتی تھی۔ جبکہ لوگوں کی محنت آج کی نسبت بہت اچھی ہو کر گئی تھی اور کسی شخص کو غربت کا احساس نہیں تھا۔ آج بھی سندھ کے اندرونی علاقوں میں تقریباً یہی طریقہ جاری ہے۔ ہمارے مرشد خانہ درگاہ مشوری شریف میں آج بھی پھر کا یہی طریقہ رائج ہے۔

اس کے برعکس ملازم گھروں میں تینوں وقت کھانا پک رہا ہے، تقریباً تینوں ہی وقت سالن استعمال ہو رہا ہے، اس کے علاوہ دن میں کئی کئی بار چائے سو سے بکٹ وغیرہ اڑائے جا رہے ہیں۔ کھانا کھانے کا نام مقرر کر دیا گیا ہے، یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ بھوک بھی لگی ہے کہ نہیں، پیٹ سے بچھ کر نہیں بلکہ گھڑی کو دیکھ کر کھانا کھایا جاتا ہے۔ پھر لذت سالن بلکہ کئی کئی ڈشوں (رنگ برنگے کھانوں) کے زور پر اپنی برداشت سے زیادہ کھانا کھا لیا جاتا ہے۔ دوسری طرف محنت اور مشقت کر کے اس بیمار کو ختم کرنے کی بجائے سہولیات کو ترقی کہا جا رہا ہے، جس

کے چیمے میں کئی مولوی امراض آپ کے سامنے ہیں۔ جس گھر کے افراد کا چاہیں انطرب لے لیں، تقریباً ہر فرد بیمار ہے، چھوٹے چھوٹے بچے عجیب و غریب امراض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

میڈیا پر فاشی اور بے حیائی سے خود فیر مسلم بھی تنگ آ چکے ہیں۔ اخبار کے مطابق ملکی حکومت نے فحش فلموں پر پابندی لگا دی ہے اس لیے کہ ان سے نوجوان نسل متاثر ہونے لگی ہے۔

نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کے اندر اتار کر کوئی نہیں دیکھتا کہ ایسی ترقی کے باوجود ان کے ہاں کثرت سے خودکشی کا رواج کیسے پڑا، ایڈز جیسے امراض کیسے پھیلے، کالے اور گورے کی جابلا نہ تفریق آج تک غم کیوں نہ ہو سکی، ابھی تک وہاں کے انسان نگے کیوں رہتے ہیں، وہ لوگ کتوں سے شادیاں کیوں کرتے ہیں اور ڈیول چرچ (Devil Church) نے کیسے جنم لیا ہے۔

میڈیا پر ترقی کی اس بیہودہ تعریف کو ایسا غلط رنگ دے کر پیش کیا جا رہا ہے اور اس طرح کے ڈرامے دکھائے جا رہے ہیں کہ انہیں دیکھ لینے والے بچے تو کجا بڑے لوگ بھی احساس کستری کا شکار ہو چکے ہیں۔ ہر شخص اپنے حقوق اور مطالبات کی ایک طویل فہرست اٹھائے پھرتا ہے۔ کسی ایک شخص کا بھی پیٹ بھونکا نہیں لیکن آنکھ اور نیت میں بھوک کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔

ہمارے نبی کریم ﷺ درجیم علی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لیس الغنی عن کثرة العرض ولكن الغنی غنی النفس یعنی امیر آدمی وہ نہیں ہے جس کے پاس مال و متاع زیادہ ہو بلکہ امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰)۔

☆.....☆.....☆

دوسرا باب

## تصوف کی تعریف اور تفصیل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ

وَالصَّلَاةُ عَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمَنَّا بِغَدِّ

تصوف کا موضوع توحید اور اللہ کریم علی شان کی معرفت ہے۔

تصوف باب تفکّل سے صادر ہے۔ اس باب کی خاصیت کے پیش نظر اس کا لفظی معنی

ہوا "صاف ہونے کے لیے محنت اور مشقت کرنا"۔ صاحب تصوف کو صوفی کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ یا

تو صوف سے بنا ہے، یا صفا سے، یا صفر سے۔

چنانچہ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۵۵ پر ایک پورا باب موجود ہے جس کا نام ہے "

لبس الصوف" اس باب میں متعدد احادیث ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت

عبادہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عروج علیہ السلام ﷺ ذات یوہو علیہ جبر و مہ

من صوف یعنی ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف لائے اور آپ نے صوف کا پتا ہوا روی

جب تک رکھا تھا (ابن ماجہ صفحہ ۲۵۵)۔

اسی طرح گنج بخاری میں بھی کتاب اللباس میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا نام ہے

لبس حبة الصوف فی الغزو اس باب میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ محمد

کریم ﷺ نے دستور فرمایا اور آپ نے صوف کا جب تک رکھا تھا و علیہ حبة من صوف (بخاری

جلد ۲ صفحہ ۸۶۳)۔ اس مادہ کے اعتبار سے سادگی اور بے تکلفی کو اختیار کرنا صوفی کا خاصہ ہوگا۔

اگر یہ لفظ صفہ سے بنا ہوتا صفہ والے کو صفوی کہا گیا اور پھر یہ ثقات کی وجہ سے صفوی بنا جس طرح آج کل مدینہ شریف والے لقباً کو قبا کہتے ہیں۔

اب اصحاب صفہ علیہم الرضوان کے احوال اور گزر بسر پر ایک نظر کر کے سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک صفوی کس طرح کی سیرت کا مالک ہوتا ہے۔ اصحاب صفہ وہ لوگ تھے جو اپنا گھربار چھوڑ کر روحانی تربیت کی خاطر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ ان کی رہائش گاہ صفائی، جیوترو تھا، جو کاشانہ نبوی کے شمال میں تھا اور مسجد شریف کے ساتھ متصل تھا۔ ان کا کھانا چٹا لباس وغیرہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔

فقر کے عالم میں ان کا کھانا اور لباس وغیرہ نہایت مختصر اور سادہ تھا۔ اور یہ لوگ ہر وقت مجاہدے میں مصروف رہتے تھے۔ ان لوگوں کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ آج کل جس طرح صوفیائے کالمین کے آستانوں پر کچھ لوگ مستفل رہتے ہیں اور کچھ آتے جاتے رہتے ہیں۔ تقریباً یہی سنت کا انعکاس ہے۔ قرآن مجید میں انہیں فقراء کے طبقے سے موسوم کیا گیا ہے۔

للفقرآء الذین احصوا فی سبیل اللہ وہ فقراء جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں (البقرہ: ۲۷۳)۔ اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وہ اصحاب الصفة اس آیت میں فقراء سے مراد اصحاب صفہ ہیں (معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۲۵۹)۔ قرطبی میں ہے کہ: وہم اهل الصفة و كانوا نحواً من اربع مائة رجل و ذلك انهم كانوا يقدمون فقراء علی رسول اللہ ﷺ و ما لهم اهل و لا مال فنبیت لهم صفة فی مسجد رسول اللہ ﷺ فقبل لهم اهل الصفة یعنی یہ لوگ اہل صفہ تھے، جو چار سو کے قریب تھے، ان کے پاس نہ گھر تھا نہ مال تھا، ان کے لیے مسہر نبوی شریف میں جیوترو تعمیر کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے انہیں اہل صفہ کہا جاتا تھا (قرطبی جلد ۳ صفحہ ۳۲۲)۔

بیضاوی میں ہے: و قبل هم اهل الصفة كانوا نحواً من اربع مائة من فقراء المهاجرين يسكنون صفة المسجد يستقر لون اولادهم بالتعليم والعبادة، و كانوا يخرجون فی کل سرية بعثها رسول اللہ ﷺ یعنی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اہل صفہ تھے جو چار سو

کے قریب مہاجر فقراء تھے، مسجد کے جوترے پر رہا کرتے تھے، ہر وقت علم حاصل کرنے اور عبادت کرنے میں غرق رہتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ہوئے ہر فکر میں شامل ہو کر جہاد کرتے تھے (تفسیر بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۳۱)۔

یہ لوگ کثرت سے ذکر کرتے تھے اور اللہ کریم تل شانہ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان لوگوں کو وقت دیا کریں اور انہیں اپنی ناکام رحمت میں رکھیں۔ و اصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم ترجمہ :- اے محبوب اپنے آپ کو ان لوگوں کے پاس روکیے جو اپنے رب کو صبح و شام یاد کرتے ہیں، اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اور ان سے اپنی نگاہیں مت ہٹائیے (الکہف: ۲۸)۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بغوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :- قال قتادة نزلت في اصحاب الصفوة كانوا اسبعين اقل فقراء في مسجد رسول الله ﷺ، لا يرجعون الى تجارة ولا الى زرع ولا حصر يصلون صلاة وينتظرون اخري، فلما نزلت هذه الآية قال النبي ﷺ الحمد لله الذي جعل في امتي من امرت ان اصبر لنفسي معهم يعني حضرت لادہ تابعی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو سات سو کے قریب افراد تھے، نہ ہی تجارت کی طرف لوٹتے تھے، نہ ہی زراعت کی طرف اور نہ ہی مویشیوں کی طرف، ایک نماز پڑھ لیتے تو دوسری کا انتظار کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کے پاس ٹھہرنے کا مجھے حکم ہوا (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۱۵۹)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے :

وقال الطبرانی : حدثنا اسماعيل بن الحسن حدثنا احمد بن صالح، حدثنا ابن وهب عن اسامة بن زيد عن ابي حازم عن عبد الرحمن بن سہل بن حنيفة قال نزلت على رسول الله ﷺ وهو في بعض ابياتہ و اصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه فخرج يلتمسهم فوجد قوما يدعون الله تعالى منهم ثلثون



الراس وجاف الجلد وذو الثوب الواحد فلما رآهم جلس معهم وقال الحمد لله الذي جعل في اعني من امرني الله ان اصير نفسي معهم يعني رسول الله ﷺ ہے کاشانہ اقدس پر موجود تھے جب آیت و اصیر نفسک مع الذین يدعون ربهم بالغزاة والعشي يريدون وجہہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ ان لوگوں کی تلاش میں لگے، آپ نے ایک قوم کو پایا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے تھے، ان میں سے بعض کے ہال بکھرے ہوئے تھے اور جلد خشک تھی اور صرف ایک ایک کپڑا لیا ہوا تھا، جب آپ نے انہیں دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کے پاس ٹھہرنے کا مجھے غم دیا (ابن کثیر جلد ۳ ص ۱۱۵)۔

اہل تصوف نے اسی آیت سے اپنے لیے فقیر کا لفظ استعمال کرنا پسند فرمایا ہے اور ان کے آستان پر رہنے والے طالبوں کو بھی فقراء کہا جاتا ہے۔

اگر تصوف کا لفظ صفا سے بنا ہو تو اس کا معنی ہے صفائی۔ قرآن شریف میں اس کے مترادف لفظ تزکیہ استعمال ہوا ہے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ قد افلح من تزکی یعنی صاف پا کیا وہ شخص جس نے مجاہدہ کر کے پاکیزگی حاصل کی (الاعلیٰ: ۱۳)۔

نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی ذمہ داری یہ بتائی گئی ہے کہ : یصلو علیہم آیاتہ و یزکیہم یعنی رسول ان پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں صاف کرتا ہے (جمہ: ۲)۔

پاکی اور صفائی سے مراد یہ ہے کہ دوح کو تکبر اور حسد جیسی روحانی بیماریوں سے پاک کیا جائے۔ اس لحاظ سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تصوف اخلاقی سکھاتا ہے۔ نیز دوح کو ریا کاری، اغراض اور طمع جیسے امراض سے پاک کیا جائے اور اس لحاظ سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تصوف اخلاص سکھاتا ہے۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات کی ایسی معرفت حاصل کی جائے کہ اسے مظاہر سے جدا رکھ کر شناخت کر لیا جائے اور ظاہر و مظہر میں امتیاز کو سمجھ لیا جائے۔ عیسا کہ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے محبوب کریم ﷺ کے وصال کے موقع پر صحابہ کرام علیہم الرضوان

کی پریشانی کو دور کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ من کان بعد محمد الی آخر وچنانچہ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ کے وصال کے موقع پر صدیق اکبر ﷺ نے بلحاظ واز سے فرمایا: ”اے لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد ﷺ اس جہان سے چلے گئے ہیں اور جو رب محمد ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو یا درکھو کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل یعنی محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم دین اسلام سے بھر جاؤ گے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص فانی چیز کے ساتھ دل لگاتا ہے، وہ فنا ہو جاتا ہے اور دکھا لٹا جاتا ہے اور جو شخص باقی کے ساتھ دل لگاتا ہے، وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کا جسم فنا کیوں نہ ہو جائے۔ جس جس کسی نے محمد علیہ السلام کو گواہی آکھوں سے دیکھا آپ ﷺ کے اس جہان سے پردہ پوش ہونے کے بعد اس کے دل میں آپ کی منزلت کے بارے میں حیرت پیدا ہو گئی۔ اور جس نے آنحضرت ﷺ کو چشم حقیقت سے دیکھا اس کے لیے آپ کا اس جہان سے پردہ پوش ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ کیونکہ جس شخص کو مقام جہاد باللہ حاصل ہے اس نے آپ کو باقی باللہ دیکھا اور جو مقام ثانی اللہ پر ہے اس نے آنحضرت ﷺ کو ثانی اللہ دیکھا۔ بہر صورت اس نے تبدیل ہونے والے کی بجائے تبدیل کرنے والے کو دیکھا۔ نہ اس نے کسی غیر سے دل لگا یا نہ خلق پر نگاہ کی۔ کسی نے خوب کہا۔ من نظرو الی الخلق هلک و من نظرو الی الحق ملک یعنی ”جس نے خلق پر نظر کی ہلاک ہوا اور جس نے حق پر نظر کی وہ فرشتوں کے رتبہ میں دلگام کیا“ (کشف المحجوب صفحہ ۳۲)۔

اسی لیے فرماتے ہیں کہ

ان الصفا صفا الصديق

ان اردت صوليا على التحقيق

یعنی اگر تم صحیح معنی میں کسی صوفی کو جانتا چاہتے ہو تو اصل مفاد یہ ہے جو صدیق اکبر ﷺ کو

حاصل ہے۔

صفائی اور پاکیزگی کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اپنے قلب میں سے غیر کو باہر نکال دیا جائے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لکل شیء صفاۃ و صفاۃ القلب ذکر اللہ یعنی ہر چیز کو صاف کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے اور دل کو صاف کرنے کا آلہ اللہ کا ذکر ہے۔

اس کی اوجہ یہ ہے کہ حلال اور حلال دونوں صورتوں میں عاشق اپنے محبوب کی طرف ہی لپکتا ہے۔ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا اللھم انی اعوذ بک منک یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۲)۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تو مجھ پر اپنا حلال بھی فرمائے تو میں تجھ سے بھاگ کر کسی اور کی پناہ میں نہیں بلکہ تیری ہی پناہ میں آتا ہوں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ماں اپنے بچے کو مارے تو بچہ اسی ماں کی انگلیوں سے لپٹ جاتا ہے۔

اس حدیث کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میرے اعدا تیری الوہیت کا شائبہ بھی باقی رہے، میں خالص بندہ اور عبید محض بن کر رہنا پسند کرتا ہوں۔ صفائی کا یہ مرتبہ تمام مراتب سے بلند والا ہے۔ اسی لیے معراج کی رات جب اللہ کریم جل شانہ نے پوچھا کہ ہم اشرفک یا محمد یعنی اے محمد میں آپ کو کون سا شرف بخشوں۔ تو آپ ﷺ نے عرض کیا بسمعی الیک بالعبودۃ یعنی اپنی طرف بندے کی حیثیت سے مجھے منسوب فرما اور مجھے اپنا بندہ کہہ کر پکار۔

قنایت کی بے نیازیوں کے بعد عہدیت کو اختیار کرنے میں کاملین کو زیادہ لطف محسوس ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں تفصیل کا مترادف لفظ احسان بھی استعمال ہوا ہے۔ حدیث جبریل میں ہے کہ الاحسان ان تعبد اللہ کانک نراہ الحدیث یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (بخاری جلد ۱۲، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷)۔

اللہ کو دیکھنے کا تصور محب کا فعل ہے، جب کہ اللہ کا اپنے بندے کو دیکھنا بندے کی عہدیت ہے گویا بندہ اپنے رب کا محبوب ہے۔ الذی یراک حین تقوم و تغلبک فی

المساجدین میں نبی کریم ﷺ کی محبوبیت پر ان کی گئی ہے۔

اللہ کو دیکھنے میں استہلاک، سکر اور قہا ہے جب کہ اللہ اگر بندے کو دیکھے تو اس میں صحو اور بقا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ اکبر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اس میں جملہ اس طرح ہے فان لم تکن نراہ اگر تم ہی نہ رہے تو تم اسے دیکھ سکو گے (رسائل ابن عربی کتاب الفناء فی الشاہدہ صفحہ ۳۳)۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جلال الدین گنجی کے حوالے سے فرماتے ہیں: حقیقۃ الاحسان مراقبۃ اللہ تعالیٰ فی جمیع العبادات یعنی احسان کی حقیقت یہ ہے کہ تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کیا جائے (الایات والنجاہ ص ۵۰)۔

## دین کے تین مختلف شعبے

دین اسلام کے تین مختلف شعبے ہیں۔

(۱)۔ سیاسی شعبہ: اس کا تعلق عوام کی ظہار و سبوح، عدل و انصاف کی فراہمی، جہاد اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت سے ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: ان اللہ یا مریکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا و اذا حکمکم بین الناس ان تحکموا بالعدل یعنی اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ مانتیں ان کے اہلوں کے سپرد کرداد اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو (النساء: ۵۸)۔

گنج بخاری میں کتاب الاحکام اور گنج مسلم میں کتاب الامارۃ کا تعلق اسی موضوع سے ہے۔ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت ڈٹے سے اصلاح کرتی ہے۔ حکومت کی مثال ایسے ہے جیسے بادام کے اوپر کا تختہ ٹھول۔

(۲)۔ علماء کا شعبہ: لوگوں کو دین کی تعلیم دینا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کا ایسا شعبہ ہے جس پر دین کی بھٹی گھومتی ہے اور اس پر دین کی پٹا کا دار و مدار ہے۔

اللہ کریم فرماتا ہے: حکم خیر امۃ اخر جت للناس تا مرون بالمعروف و تنہون

عن المنکر یعنی تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکو کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو (آل عمران: ۱۱۰)۔ یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔ علماء زبان اور قلم کے ذریعے تبلیغ کرتے ہیں۔ اس شعبے کی مثال ایسے ہے جیسے پادام کا سرخ باریک چھلکا۔

(۳)۔ صوفیاء کا شعبہ: اس کا تعلق اصلاح نفس اور دلوں میں اخلاص پیدا کرنے سے ہے۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونا و اذا خطابہم الجاہلون قالوا سلاماً یعنی رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب کوئی جاہل ان سے مخاطب ہوتا ہے تو سلام کہہ کر مل دیتے ہیں (الفرقان: ۳۴)۔ دوسری جگہ فرماتا ہے: و الذکر اسمہ یک و یقول الیہ نبیلاً یعنی اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور ہر چیز سے کٹ کر اسی کا ہونا (المثل: ۸۵)۔

صوفیاء کے لیے قرآن و سنت میں مصدر جذیل مترادف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اولیاء اللہ کا لفظ الان اولیاء اللہ میں۔ عباد الرحمن کا لفظ عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونا میں۔ متکون کا لفظ ان اولیاءہ الامتقون میں۔ سادقین کا لفظ کونوا مع الصالحین میں۔ مرشد کا لفظ و من یضلل فلن تجدہ ولیا مرشدا اور هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا میں، شمع کا لفظ صراط الذین انعمت علیہم میں، محسنین کا لفظ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین میں، غلص کا لفظ لا عبادک منهم المخلصین میں، صابریں کا لفظ ان اللہ مع الصابریں میں، عہد کا لفظ اضافت کے ساتھ فوجہ اعبدا من عبادنا میں۔

جس کی نیت میں حق کی جستجو موجود ہے اس کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ کتب حدیث میں بھی مصدر جذیل ابواب خالصتاً تصوف ہی سے متعلق ہیں۔

باب الحب فی اللہ، کتاب الرقاق، کتاب الاخلاق، باب زیارة القبور، ذکر اللہ و التضرع الیہ، باب فضل الفقراء، باب الصور و التوکل، باب الریاء و السمعة، باب البکاء و الخوف، باب الکرامات، باب المعجزات۔

یہ اولیاء و صوفیاء کی ذمہ داری ہے۔ صوفیاء کی غالب تبلیغ قلب، نگاہ اور توجہ کے ذریعے

ہوا کرتی ہے۔ تصوف کی مثال ایسے ہے جیسے ہارام کا سفید مغز۔

## انسان کی تخلیق کا مقصد

اللہ کریم کا ارشاد عالی ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

حضرت جبریل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عبادت سے مراد معرفت ہے (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۳۰۵)۔ حضرت مہابد تابعی علیہ الرحمہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ الا ليعبدون یعنی تاکہ میری معرفت حاصل کریں (قرطبی جلد ۱ صفحہ ۵۰)۔

شیخ اکبر بن الدین ابن عربی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ: لیظهر علیہم صفاتی و کمالہ فیعبودونی ثم یعبودونی فاذا العبادۃ بقلمو المعرفة و من لم یعرف لم یعبد یعنی تاکہ ان پر میری صفات اور کمالات ظاہر ہوں اور یہ لوگ مجھے پہچان لیں اور پھر میری عبادت کریں۔ تو جس قدر معرفت ہوگی اسی قدر عبادت بھی ہوگی اور جسے معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ عبادت نہیں کر سکتا (تفسیر ابن عربی جلد ۲ صفحہ ۴۷۲)۔

خازن وغیرہ میں ہے کہ هذا حسن لانه لو لم یخلفہم لم یعرف وجودہ و توحیدہ یعنی عبادت سے مراد معرفت لینا اچھی تفسیر ہے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ جنات اور انسانوں کو پیدا نہ فرماتا تو اس کی ذات اور توحید کی معرفت کسی کو حاصل نہ ہوتی (تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۱۸۵، قرطبی جلد ۱ صفحہ ۵۰)۔ مولانا سلیم ارضوان نے ایک حدیث قدسی بیان فرمائی ہے کہ کنت کمنزاً مخلصاً فلزوت ان اعرف فخلقت الخلق یعنی میں چھپا ہوا نژاد تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں لہذا میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

یہ حدیث سنو اور محنت کے لحاظ سے جیسی بھی ہو لیکن قرآن کی مذکورہ بالا آیت اور اس کی تفسیر مالانہ و مولیانہ دونوں کے مطابق ہے۔ لہذا اسے قبول کرنے میں کوئی تباہت نہیں۔

تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت فرشتوں نے عرض کیا تھا کہ انسان زمین میں فساد

کرے گا اور غم نہ پھائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ وہ اصل فرشتے انسان کو خطا کرتا ہوا دیکھ رہے تھے مگر اللہ کریم اسے خطا کے بعد تو پہ کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار رہا تھا اس پر اس کا کھانا اور پانی بھی تھا۔ راستے میں وہ ایک جگہ پر آرام کرنے کے لیے ٹھہرا تو اس کا اونٹ دسی نکال کر چلا گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اونٹ غائب تھا۔ وہ شخص جنگل بیاہن میں اونٹ کی تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر بھاگا مگر اونٹ نہ ملا۔ آخر کار وہ موت کے لیے تیار ہو کر ایک جگہ لیٹ گیا۔ اچانک اسے دور سے اونٹ آتا ہوا نظر آیا۔ اس شخص کے منہ سے نکلا میں تیرا مالک تو میرا بندہ۔ خوشی کی شدت سے اس نے جملہ منہ سے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کو اس بندے سے بھی زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۵)۔ یہ چیز فرشتوں میں نہیں تھی۔ یہی اسی اعلم مالا تعلمون کا راز ہے۔

## قرآن کے نزول کا مقصد

اللہ کریم فرماتا ہے: **هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَيُلْعَلُوا السَّامِعُونَ لَهُ وَاحِدٌ** ولید بگو اور لو! الالباب یعنی یہ لوگوں کے لیے اطلاع ہے اور اس کے نازل کیے جانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو جہاد ہی سے ڈرایا جائے اور تاکہ لوگ جان لیں کہ ایک اللہ ہی معبود ہے اور تاکہ قرآن سے عقل والے فصاحت حاصل کریں (ابراہیم: ۵۲)۔

اس آیت میں قرآن مجید کا موضوع تو حید بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ؓ سے پوچھا گیا کہ آیا قرآن کا کوئی عنوان ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ پوچھا گیا کونسا؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ و مسئل بعضہم هل لکتاب اللہ عنوان؟ فقال نعم، قبل این ہو؟ قال لولہ تعالیٰ هذا بلع للناس الایہ (قرطبی جلد ۹ صفحہ ۳۳۰)۔

تمام رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام لا الہ الا اللہ کی تبلیغ فرماتے رہے۔ وعاور سلفنا من رسول الانو حی الیہ اند لا الہ الا اللہ (الانبیاء: ۲۵)۔ اسی لا الہ الا اللہ کو افضل الذکر کا درجہ دیا گیا ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۶)۔ یہی تو حید قرآن کا موضوع اور عنوان ہے اور اسی خدا کی

معرفت اور مہارت انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔

☆.....☆.....☆

## تیسرا باب

### نام نہاد صوفیاء کے فرقوں کا تعارف اور تفصیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ

وَالْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ

صوفیاء، علیم الارضوں نے عقیدہ و توحید کی صحت اور دیگر عقائد کی درجگی پر پورا زور دیا ہے اور بعض نام نہاد صوفیاء کے باطل عقائد پر زبردست تنقید فرمائی ہے۔ بعض کے لیے فرمایا کہ اللہ کی ان پر لعنت ہو بعض کے لیے فرمایا کہ اللہ انہیں برباد کرے اور بعض کے لیے فرمایا کہ اللہ انہیں ہدایت دے۔

اسی طریقے پر عمل کرتے ہوئے ہم بھی موجودہ زمانے کے بعض باطل طبقات کے باطل نظریات پر عنوان قائم کر کے ان کی تردید کرتے ہیں واللہ الموفق الوہاب۔

حضرت امام مہدیاؑ کے ہوا ان قسیمی، حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری، حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردی، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت میر سید عبدالعزیز گرامی چشتی علیم الارضوں نے اپنی اپنی کتابوں میں باطل مذاہب و عقائد کی زبردست تردید فرمائی ہے اور انہیں ملحد، کافر اور بدعت جیسے الفاظ سے نوازا ہے۔ اس کتاب میں ہم بھی اپنے ان آباء اجداد کی پیروی کرتے ہوئے عصر حاضر کے غلط فرقوں کا تعارف کر رہے ہیں اور ان کی تردید کر رہے ہیں۔

۱۔ حلوٰی عقیدہ کی تردید:- یہ فرقہ پاک و ہند میں اچھی خاصی تعداد میں موجود ہے۔ یہ لوگ



قرآن و سنت سے بالکل لا تعلق ہوتے ہیں بلکہ علم کی سرے سے ہی مخالفت کرتے ہیں۔

صوفیاء، عظیم المرحوم ان نے اپنی ذات کی نفی فرمائی ہے اور دنیا کی ہر چیز کے حقیقی وجود کا انکار فرمایا ہے۔ صوفیاء کی مراد یہ ہے کہ حقیقی وجود محض اللہ کریم کی ذات کا ہے باقی سب اس کے ظلال اور پرتو ہیں۔ حلولی کہتے ہیں کہ بندہ ہی خدا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا حقیقی وجود تھا بھی نہیں، ہے بھی نہیں اور ہو گا بھی نہیں۔ یہ کہنا کہ میں اللہ ہوں، اور یہ کہنا کہ میں نہیں ہوں اللہ ہے، ان دو جملوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ تصور (یعنی میں نہیں ہوں اللہ ہے) اگر کجی معنی میں قائم ہو جائے تو ہر جسم کے دعویٰ غیر مستحیدہ حرکت اور لاف زنی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ تکبر قریب نہیں آئے گا اور زبان تنگ ہو جائے گی۔

یہ فرق اپنی خرافات کی تائید میں بعض صوفیاء کے شطحیات کو پیش کرتا ہے۔ حضرت ہازید بسطامی قدس سرہ کا سبحانی ما اعظم ثانی کہنا اور حضرت حسین بن منصور طاج قدس سرہ کی زبان سے انا الحق لکھنا کو اپنے موقف کی دلیل بناتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ہازید بسطامی کے مریدوں نے جب انہیں عرض کیا کہ آپ نے رات کو اس طرح فرمایا تھا تو آپ نے فرمایا: اگر میں ایسا کہوں تو مجھے تلواریں سے مار دینا۔ لیکن جب آپ کو تلوار ماری گئی تو تلوار آپ کے جسم سے ہوا کی طرح پار ہو گئی۔ واضح ہو گیا کہ ہازید بسطامی نے خدائی دعویٰ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی نفی فرمائی جس سے خدا کا اثبات ہوا۔ حلولی بھی اگر اسی تلوار سے مارے جانے کے لیے تیار ہو جائیں تو ہم ان کی صداقت تسلیم کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ تلوار ان کے جسم سے ہوا کی طرح گزر جائے۔

۲۔ تفصیلی رافضی عقیدہ کی تردید:- قرآنی آیت اور لنگ اعظم درجہ یعنی تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ لڑی، ان کا وہ جو بہت بلند ہے۔ اس کے بعد خرچ کرنے والے اور جنگ لڑنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے (الحید ۱۰: ۵۷)۔ اس آیت میں سیدنا صدیق اکبر ؓ کی افضلیت وہ پہرے کے سورت کی طرح میاں ہے۔ اور وسیع بنہا الاتقی (الکیل: ۷۱)۔ اس آیت کے بارے میں تمام

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت میں آپ کو سب سے بڑا متقی کہا گیا ہے اور یہی افضلیت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے انھیں خود امامت کے مصلیٰ پر کھڑا فرمایا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۳)۔ کسی

اور

کی تجویز دی گئی تو فرمایا یا ایہا اللہ المؤمنون الا ابابکر یعنی اللہ اور اس کے تمام فرشتوں نے ابوبکر کے سوا ہر کسی کی امامت کا انکار کر دیا ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۳)۔ یہاں تک فرمایا کہ لا یبقی لقوم فیہم ابوبکر ان یومئہم غیرہ یعنی کسی قوم کو ذریعہ نہیں دے گا کہ ابوبکر کی موجودگی میں کسی دوسرے کو امام بنائے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۸)۔ فرمایا ابوبکر اور عمر جنی یوزحوں کے سردار ہیں (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷، ابن ماجہ صفحہ ۱۱)۔ نیز فرمایا ابوبکر سے افضل شخص سو حج لے نہیں دیکھا بعد انہوں کے (مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۴)۔ حضرت مہدی بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر بکر عثمان (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۲۳، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۸۸، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)۔ تمام صوفیاء علیہم الرضوان کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ امامت محمدی علیؑ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اولیاء میں سب سے بلند روحانی مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہے۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ، ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ اس کا منکر رافضی ہے۔

دنیا کے تصوف کی نہایت بلند پایہ کتاب التعرف کے بارے میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ لو لا التعرف لما عرف التصوف یعنی اگر التعرف نہ ہوتا تو تصوف پہچانا ہی نہ جاتا۔ اس بلند مرتبہ کتاب میں لکھا ہے کہ اجمع الصوفیۃ علی تقدیم ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم یعنی صوفیاء کا اس پر اجماع ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر بکر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نشیخ الاسلام بعد از انبیاء خیر الاکار یعنی اسلام کے ہیرو اور نبیوں کے بعد تمام انسانوں سے افضل (کشف المحجوب صفحہ ۶۷)۔ صدیق اکبرؓ مقدم جمیع خلایق استثنای ہر انبیاء صلوات اللہ علیہما اجمعین و

مروانہ باشد کہ کسی قدر اندر پیش روی نہد یعنی صدیق اکبر علیہ السلام کے بعد تمام مخلوقات سے آگے ہیں اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان سے آگے قدم رکھے (کشف المحجوب صفحہ ۶۹)۔

حضور سیدنا خورشید اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ:  
 خلفاء راشدین نے خلافت بزرگ شمشیر یا جبر کے ذریعے حاصل نہیں کی تھی بلکہ  
 محاسنین پر ان کو فضیلت حاصل تھی۔ خلفاء راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ اور اصحاب بدر افضل  
 ہیں (لایۃ الخائیین صفحہ ۱۸۲)۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرائی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: افضل الاولیاء  
 المحمديين بعد الانبياء والمرسلين ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم  
 اجمعين یعنی اس بات کا بیان کہ انبیاء اور مرسلین کے بعد اولیائے محمدی میں سے سب سے افضل  
 ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم (الایاتیت والجوہر صفحہ ۴۳)۔

چوتھی سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت سید میر عبدالواحد ٹکرائی قدس سرہ اپنی  
 تصوف کی بلند پایہ تصنیف میں فرماتے ہیں کہ: اس پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد  
 دوسری تمام مخلوق سے بہتر حضرت ابو بکر صدیق علیہ السلام ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق، ان  
 کے بعد عثمان ذوالنورین اور ان کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں (سبع سنابل صفحہ ۵۶)۔

خود سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ من فضلنی علی ابی بکر و  
 عمر جلستہ حد المفضری یعنی جو شخص مجھے ابو بکر اور عمر سے افضل کہے گا میں اسے مغتری کی حد  
 کے طور پر ہی کوڑے ماروں گا (صواعق مرقۃ صفحہ ۶۰)۔

سلسلہ وصال اور رقص کی تردید:۔ ظہیر مال کی وجہ سے کسی صوفی کا پھر کنا، گرہا اور پکڑے  
 پھاڑا لیا کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ لیکن ایسے شخص کو ہوش نہیں رہتا اور وہ موزون حرکات یعنی  
 روم کا تم نہیں رکھ سکتا۔ اسی کے بارے میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:  
 صاحب الحال مغلوب یعنی صاحب حال مغلوب اور بے بس ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص

ایک وزن پر پاؤں مارتا اور اوپر نیچے ہوتا ہے اور ڈھول کی تھاپ پر درہم قائم رکھ سکتا ہے وہ درہم اصل ہوش میں ہوتا ہے اور مغلوب الحال نہیں ہوتا بلکہ حادث سے کام لے رہا ہوتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: بدن حکم اندر شریعت و طریقت میں رقص را بیج اصلے نیست بیج حکس از مشائخ آن مراستودہ اند و اندر آن غلو نہ کسزدہ اند و سرائر حکم اہل حشواند سراں پیاسرند آن ہمہ باطل بود ..... و محال باشد حکم افضل مردمان آن سکند یعنی جانتا چاہیے کہ شریعت اور طریقت دونوں میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے اور مشائخ میں سے کسی ایک نے بھی اس کو پسند نہیں فرمایا اور اس میں غلو نہیں کیا، غرض اُن کی لوگ اس کے بارے میں جتنے آثار پیش کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ اور محال ہے کہ بزمگان دین ایسی حرکت کریں (کشف الغیب صفحہ ۷۶)۔

وہ شخص حق کے راستے سے سخت دور ہے جو بے بس ہو کر پلڑے کو رقص بچھ رہا ہے۔ سخت دور افتادہ آن حکس از طریق صواب حکم آن سرا رقص خواند (کشف الغیب صفحہ ۷۶)۔

حضرت مجدد الملت ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس زمانے کے بچے اور خام صوفیوں نے اپنے بھروسے کے عمل کو بہانہ بنا کر سرور رقص کو اپنا دین و ملت بنالیا ہے اور اسی کو اطاعت و عبادت سمجھ لیا ہے۔ اولئک الذین اتخذوا دینہم لہوا و لعبا (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لہو و لعب کو اپنا دین بنالیا ہے) اور روایت ساجد سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو شخص فعل حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گردہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے، تو پھر خیال کرنا چاہیے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو اطاعت و عبادت سمجھنا کیا ہیما ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے دور میں جتنا نہ ہوئے اور ہم تابعداروں کو اس قسم کے امور کی تقلید سے چھڑا دیا (مکتوبات امام ربانی جلد ۱ مکتوب نمبر ۲۶۶)۔

در مختار میں ہے کہ ومن يستحل الرقص فقلوبه ابکفر یعنی جو رقص کو جائز کہے طواغیت نے اسے کافر کہا ہے (جلد ۲ صفحہ ۷۳)۔

اس پر ثانی میں ہے کہ المراد به التماثل والخطض والرفع بحرکات موزونة  
 كما يفعلها بعض من ينسب الى التصوف وقد نقل في البرازية عن القرطبي اجماع  
 الامة على حرمة هذا الغناء و ضرب القضب والرقص یعنی اس سے مراد اوپر نیچے کی  
 موزون حرکات کے ذریعے بڑھا ہوتا ہے جیسا کہ بعض صوفی کہے جانے والے لوگ کرتے ہیں،  
 فتاویٰ برازیہ میں قرطبی کے حوالے سے اس خلاف وفاق اور قس کے حرام ہونے پر امت کا اجماع  
 نقل کیا گیا ہے (جلد ۲ صفحہ ۷۳۳)۔

حضرت علامہ سید محمود لوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: من هاب الاله و ادرك شيئا من  
 تعظيمه لم يتصور منه رقص ولا تصفيق ولا يصدر ان الا من جاهل و بدل على جهالة  
 فاعلهم لان الشريعة لم ترد بهما في كتاب ولا سنة ولم يفعل ذلك احد من الانبياء  
 ولا معبر من اتباعهم وانما يفعل ذلك الجهلة السفهاء الذين التبت عليهم  
 الحقائق بالا هواء وقد قال تعالى ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شئ ولقد مضت  
 سلف والاحل الخلف ولم يلبسوا شيئا من ذلك فما ذلك الا غرض من اغراض  
 النفس وليس بقربة الى الرب جل وعلی، و فاعله ان كان ممن يقتدى به، و يعتقد ان ما  
 فعله الا لكونه قربة، فبئس ما صنع لا يهاهم ان هذا من الطاعات وانما هو من القبح  
 و عوفاً۔

ترجمہ۔ جس پر اللہ کا خوف جاری ہوا اور اس کی تعظیم کا اور اک ہوا، اس سے رقص اور جانی  
 بھانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ دونوں فعل جاہل کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، یہ کام اپنے قائل کی  
 جہالت پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے کہ شریعت نے ان کی اہانت نہیں دی، نہ کتاب میں اور  
 نہ سنت میں، یہ کام انبیاء میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا اور نہ ہی ان کے کسی مستتر پیروکار نے کیا  
 ، صرف جاہل بے وقوف ہی ایسی حرکت کرتے ہیں جن پر نفسانی خواہشات کے غلبے کی وجہ سے  
 حقیقت گمراہ ہو چکی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں  
 ہر چیز کا بیان ہے، بلاشبہ سلف صالحین اور ان کے بعد والے فاضل علماء گزر چکے ہیں جنہوں نے  
 اس قسم کی کوئی تمییز نہیں کی، یہ حرکتیں تو محض نفس کی اغراض ہیں نہ کہ رب تعالیٰ جل شانہ کا قرب،

اگر کسی حرکتیں کرنے والا قائم سمجھا جاتا ہو اور وہ اسے عبادت سمجھ رہا ہو تو اس کا یہ کرم تو برا ہے، اسے اطاعت سمجھنا اس کا وہم ہے، جبکہ یہ درحقیقت ایک بدترین رجحان ہے (روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۶۵) برآیت من یشتري لہو الحدیث۔

۳۔ ملامت کا جھوٹا بہانہ اور اس کی تردید :- آج کل کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خلاف شرع حرکات اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ ہمیں برا سمجھیں۔ ہم پر ملامت کریں اور ہمارے درجات بلند ہوں۔ اپنے حق میں لایبھا فون قومہ لانہم آیت پڑھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو حق پر ہوتے ہیں اور لوگ ناحق ان پر تنقید کر کے گناہگار ہوتے ہیں اور جن پر بے جا تنقید ہوان کے گناہ واقعی معاف ہوتے ہیں یا درجات بلند ہوتے ہیں بلکہ کسی منزل میں پہنچے ہوئے ہوں تو اس ملامت کو برداشت کرنے کی برکت سے اس منزل سے نکل جاتے ہیں۔ لیکن اگر غلطی کسی کی اپنی ہو اور علماء اس کے شر سے لوگوں کو آگاہ کریں جیسے مرزا قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا تو اب اس پر تنقید کرنے والے حق پر ہوں گے اور اس سے اس کے درجات بلند نہیں ہوں گے۔

سلامت کروانے والے قلموں میں کام کرنا، نماز نہ پڑھنا، واڑھی مشا و بنا اور نفس کی خواہش کے مطابق ہر کام کرنا ہی کیوں پسند کرتے ہیں؟ شریعت پر عمل پیرا ہو کر بھی تو سلامت کروائی جاسکتی ہے۔ خصوصاً اس دور میں جو شخص پانچ وقت کی نماز پڑھے لوگ اسے ریاکار کہنا شروع کر دیں گے، جو واڑھی رکھ لے لوگ اسے ملا، پھر، مستزاد وغیرہ خدا مظلوم کن کن القاب سے نوازیں گے۔ شلوار ٹخنے سے اوپر کر لیں تو لوگ طرح طرح کی باتیں بتائیں گے۔

باعث ملامت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سب باتیں نفس کے لیے بھی مصیبت ہیں۔ نہ چاہے ہوئے وضو کرنا اور سات کو تھپہ کے لیے اٹھنا نفس کو روک کر رکھ دیتا ہے۔

فقیر کے لیے نفس کی باریک شرائطوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ ایمان نہ ہو کہ ہم اپنی طرف سے نفس کو مار رہے ہوں اور نفس مرنے کی بجائے موتا ہوا ہو۔

مکمل طریقہ یہ ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کے لیے مختلف سے کام لے کر کوئی تدبیر

اختیار نہ کی جائے۔ صادق فقراء کا معاملہ اللہ کریم کے سپرد ہوتا ہے اور وہ ذات خود بخود وقت آنے پر فقراء کو ایسے حالات سے دوچار کر دیتی ہے جس سے ان کی منزل آسان ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس کا سلسلہ کا ملین کا سلسلہ ہو۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ مجھے ولایت کے جھوٹے دعوے داروں کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا۔ ان میں سے ایک آدمی سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہو گئی۔ مگر اس نے یہ بہانہ بنایا کہ میرا یہ عمل ملامت کے لیے تھا۔ اس پر کسی نے کہا کہ یہ خذرو بہانہ بیہودہ ہے۔ میں نے اسے دیکھا کہ فیکہ و غضب سے اس کا سانس پھول گیا۔ میں نے اس سے کہا: اے شخص! اگر ملامت میں تیرا دعویٰ درست تھا تو اس آدمی کے اعتراض پر ناراض ہونے کا کیا مطلب؟ یہ تو حیرتی مرضی کی بات کر رہا ہے۔ جب وہ حیرے ساتھ حیرتی راہ میں موافقت کرتا ہے تو حیرا اس سے بھگتا ہی کیا؟ تجھے کیوں خسرانا ہے؟ (کشف الکجب ص ۱۱۳)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مجھے ایک مشکل درویش آئی۔ میں نے اس مشکل سے خلاصی پانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس سے قبل بھی مجھ پر ایسی ہی مشکل پڑی تھی تو میں نے حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے حزار شریف پر حاضری دی تھی اور میری وہ مشکل آسان ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ بھی میں نے ارادہ کیا کہ وہاں حاضری دوں۔ بالآخر تین ماہ تک حزار مبارک پر چلے کٹھنی کی تپا کہ میری یہ مشکل حل ہو جائے۔ ہر روز تین مرتبہ غسل اور تین مرتبہ وضو کرتا اس امید پر کہ مشکل آسان ہو مگر پریشانی دور نہ ہوئی تو خراسان کے سفر کا ارادہ کیا۔

اس ملک میں ایک رات ایک گاؤں میں پہنچا وہاں ایک خانقاہ تھی جس میں صوفیوں کی ایک جماعت رہائش پزیر تھی۔ میرے جسم پر کھردری اور سخت قسم کی گدڑی تھی۔ مسافروں کی مانند میرے ساتھ کچھ زیادہ سامان نہ تھا، صرف ایک لاٹھی اور لوٹا تھا۔ اس جماعت نے مجھے حقارت کی نظر سے دیکھا اور کسی نے مجھے نہ پچھانا۔ وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق ہاتھ گھٹکھو کرتے اور کہتے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ درست بھی تھا کہ میں ان میں سے نہیں تھا۔ لیکن مجھے چونکہ وہاں رات گزارنی ضروری تھی، گھٹائش نہ ہونے کے باوجود میں ٹھہر گیا اور انہوں نے مجھے درپچے میں بٹھا دیا اور وہ لوگ اس سے اونچی چھت پر چلے گئے۔ میں زمین پر رہا۔ انہوں نے

میرے آگے ایک سوگی اور پھونڈی لگی ہوئی روٹی ڈال دی۔ میں ان کھانوں کی خوشبوؤں کو سونگھ رہا تھا جو وہ لوگ خود کھا رہے تھے۔ وہ لوگ مجھ پر برابر آوازیں کس رہے تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو خربوزے کھانے لگے اور دل لگی سے ان کے چٹکے میرے سر پر پھینک کر میری تعظیم تو جین کرتے رہے۔ اور میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ، اگر میں میرے محبوبوں کا لباس پہننے والوں میں سے نہ ہوتا تو میں ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاتا۔ پھر جتنی بھی مجھ پر ان کی طعن و تشنیع زیادہ ہوتی رہی میرا دل سرور ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس واقعہ کا بوجھ اٹھانے سے میری مشکل حل ہو گئی۔ اس وقت مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مشائخ کرام، جاہل لوگوں کو اپنے ساتھ کیوں گوارہ کرتے ہیں اور کیوں ان کی سختیاں جھیلنے ہیں؟ یہ ہیں کمال تحقیق کے ساتھ ملامت کے احکام۔ وہاں خدا توفیق (کشف المحجوب صفحہ ۷۱)۔

۵۔ دو برحاضر میں قلندر ی:۔ اصل قلندری یہ ہے کہ اپنے فکر کو چھپایا جائے، صرف فرائض واجبات اور سنن کی پابندی کی جائے۔ یہ لوگ خواہل اس لیے ترک کر دیتے تھے تاکہ لوگ ان کی مذمت کریں اور انہیں دلی نہ سمجھیں۔ ہر دلی دراصل اللہ کی طرف مہذب ہوتا ہے۔ ان میں جو لوگ جذب کو غالب رکھتے ہیں اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں ان کے اس اعداد کو قلندرانہ کہا جاتا ہے۔ جیسے شیخ شمس الدین جمیز ی، مولانا روم، حضرت خواجہ محمد گیسو دراز، شیخ فخر الدین عراقی اور حافظ شیرازی علیہم الرحمہ۔ اولیاء اللہ میں سے جو لوگ سلوک کو غالب رکھتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی راہ پر چلتے ہیں وہ سالک کہلاتے ہیں جیسے چاروں سلسلوں کے بانی حضور سیدنا محمد اعظم، حضرت خواجہ سید صمدین چشتی، جمیری، حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبند اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہم الرحمہ۔

اگر کسی قلندر نے درست بات نہیں فرمائی تو سچو والے اور انبیاء کی راہ پر چلتے والے صوفیاء نے ان کی اصلاح کر دی ہے۔ جیسے حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کی بعض باتوں کی اصلاح شیخ محمد اکرم صابری قدس سرہ نے اپنی کتاب اقتباس الانوار میں فرمائی ہے اور ان کی یہ کتاب امی کریم رحمہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئی ہے۔



اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان مروندی (شہیدِ قلندر) قدس سرہ العزیز اور حضرت بڑی قلندر پانی پتی علیہ الرحمہ دونوں اللہ کریم جل شانہ کے پیارے بزرگ ہیں۔ لیکن آج کے دور میں قلندری کے نام پر جو چیزیں پھیلائی جا رہی ہیں، صوفیائے کاملین اور خود حضرت لعل شہباز قلندر قدس سرہ ان باتوں سے بے ذار ہیں۔

حضرت سلطان باہر رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: جان لے کہ جب شیطان لعین دیکھتا ہے کہ اللہ کا طالب، اللہ کے قریب پہنچنے کو ہے اور وہ عنقریب مقامِ طریقت کو ملے کر کے مقامِ حقیقت و معرفت میں پہنچ جائے گا تو وہ دونوں مقامات کے درمیان تمام شیاطین کو جمع کر کے عرشِ دُکری، لوحِ و قلمِ مذہبی و آسمان، بہشت و دوزخ، حور و قصور اور استدعائی شیاطین کو موجود کر دیتا ہے۔ اور خود زینِ تخت پر بیٹھ کر فرعون، دھوئی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کا طالب سے کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ مہادت کی ہے، وہ ہماری اور گاہ میں قبول ہے۔ اور پیشاب کا پیالہ بھر کر اسے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے پی، یہ شرابِ طہور کا پیالہ ہے۔ اگر وہ اس پیشاب کو پی لیتا ہے تو اس پیشاب کا پینا مقامِ ہمارے شیطانی میں آتا ہے۔ اور شیطان اس سے کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ فرض و سنت، واجب و مستحب اور ظاہر و باطن کی، میں نے تیری ساری مہادت تجھے بخش دی۔ تجھے میرا پیارا پس کافی ہے، کیونکہ تو میرے نور سے ہے۔ اور میں حیرے نور سے ہوں۔ جو کچھ تیری زبان پر آئے، تو کہہ ڈال اور جو کچھ حیرے سامنے آئے، کھالے۔ قلندر اہل بدعت ہو جا۔ یہ ہے راز، جسے تو خوش آواز ساز کے ساتھ راگ سے سن۔ پس جو شخص کہ خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ استدراجِ اطمین کو بے طمی اور جہالت کی وجہ سے معلوم نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ناقص لوگ بے باطنی کی وجہ سے اپنے خالوں اور مریدوں کے سامنے حقیقت و پیدائشی بیان کرتے ہیں۔ اور استدراج کو معراج کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمیں ظاہر و باطن کی حاجت نہیں رہی۔ (اس طرح سے) وہ خالوں اور مریدوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور وہ گمراہ اپنے پیشوا کے ساتھ ملعون اکبر اہل سلب کے مقام میں آ جاتے ہیں (بجائے انہی صفحہ ۶۱ از حضرت سلطان باہر قدس سرہ العزیز)۔

حضرت شیخ شہاب الدین سروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب محاف

المعارف میں "نام کے صوفی" کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ: کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو خود کو کبھی قلندر یہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور کبھی ملا متیہ کے نام سے..... قلندر یہ سے ایک ایسے گروہ کی طرف اشارہ ہے جن کے دلوں پر خوش دلی کے نشے نے قبضہ کر لیا ہے، یہاں تک کہ ان کی عادتیں بگڑ گئی ہیں، اس خوش دلی کے نشے نے انہیں تہا و پر پاؤں کر دیا ہے، آداب مجلس سے بے گار بن گئے لوگوں سے ملنے جلنے کے اطوار و آداب کی ان کو پروا نہیں، ہر وقت تریک میں رہتے ہیں، خوشدلی کے میدان میں پھرنے کی بدولت نماز روزہ سے غافل ہوتے ہیں (المعارف المعارف صفحہ ۱۲۵) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ۔

داخل رہے کہ یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ وہ بزرگ ہیں جو حضرت شیخ بہاء الدین ذکر یا مکتا فی قدس سرہ کے مرشد ہیں اور حضرت ذکر یا مکتا فی وہ بزرگ ہیں جو حضرت عثمان مروجی السروف پہ شہباز قلندر قدس سرہ کے مرشد ہیں۔ اب آپ کو یقین ہو گیا ہوگا کہ قلندری کے نام پر جو باتیں لعل شہباز قلندر قدس سرہ کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں ان اللہ کے پیاروں کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی تہقید سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قلندری طریقہ ان سے پہلے موجود تھا اور حضرت شہباز قلندر قدس سرہ اس کے بانی نہیں ہیں۔

قلندری کی طرف منسوب ہونے کے باوجود حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ نے اپنے مریدوں کو جو وصیت فرمائی وہ ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل قلندری کیا تھی اور آج کل کی نقل کیا ہے۔

## مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کی وصیت

مولانا نے آخری وقت میں اپنے مریدوں کو یہ وصیت فرمائی:

اوصیکم بتقوی اللہ فی السرو والعلائیہ بقلة الطعام وقلة المنام وقلة الکلام  
وهجران المعاصی والاثام ومواظبة الصیام ودوام القیام وترك الشهوات علی  
الدوام واحتمال الجفاء من جمیع الانام وترك مجالسة السفہاء والعوام ومصاحبة

الصالحين والكرام وان غيرو الناس من ينفع الناس وخير الكلام ما قل ودل والحمد لله وحده یعنی میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں خواہ تم چھپ کر بیٹھو یا سر عام۔ تھوڑا کھاؤ، کم سو یا کرو اور کم بولا کرو، گناہوں اور معاصی کو ترک کر دو، ہمیشہ روزہ رکھا کرو، ہمیشہ رات کو تہجد پڑھا کرو، ہمیشہ کے لیے خواہشات کو ترک کر دو، تمام لوگوں کا قلم برداشت کرتے رہو، بے وقوفوں اور عام لوگوں کی ہم نشینی چھوڑ دو، صالحین اور بزرگ لوگوں کی صحبت اختیار کرو، اور لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے، بہترین کلمہ وہ ہے جو مختصر ہو اور مدلل ہو والحمد لله وحده (الحکات الناس صفحہ ۶۵۶)۔

۶۔ ماہر عملیات :- عامل اور کامل میں یہ فرق ہوتا ہے کہ عامل ایک دغیفہ پڑھ پڑھ کر اس کا موکل یا کوئی جن اپنے قبضے میں کر کے اس کے ذریعے جائز ناجائز کام کروا تا رہتا ہے۔ بعض عالمین اخفی کے ذریعے پوشیدہ معلومات حاصل کر کے عوام میں شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ منہ مانگے پیسے لے کر لوگوں کے کام کرتے ہیں اور ان کی دوکانوں پر طرح طرح کے بورڈ لگے ہوتے ہیں۔ عوام الناس انہیں بزرگ، پیر اور ولی سمجھتے ہیں۔ یہ ایسا دھنڈا ہے جو انہی سفاری، ہندو، عیسائی سب لوگ کر رہے ہیں اور ان کی دوکاناری خوب چمک رہی ہے۔

ان کے برعکس کاملین کا طریقہ یہ ہے کہ ہر دغیفہ اللہ کی رضا کی خاطر پڑھتے ہیں اگر انکے پاس موکل آ بھی جائے تو اسے آزاد کر دیتے ہیں اور دنیا حاصل کرنے پر افسوس پہنچتے ہیں۔

## مبلغین تصوف کی خدمت میں

(۱)۔ بعض لوگ اپنے مریدوں کو تصوف کا مبلغ بنا کر میدان میں اتار دیتے ہیں جو ابھی تک خود کسی کنارے نہیں لگے ہوتے۔ ایسے لوگ اپنے مرشد کے بارے میں ایسی باتوں کی تبلیغ کرتے ہیں کہ اگر ان کے مرشد نے اس کی اجازت دی ہے تو حیرت ہے ایسے مرشد پر۔

ایسے خدا کے بندوں کو اگر درست بتا ایسی باتوں سے منع کیا جائے تو منع کرنے والے کو ظالم کہہ دیں گے اور کہیں گے کہ یہ روحانیت کی باتیں ہیں جنہیں تم نہیں سمجھتے۔ سوچنا چاہیے کہ

اگر یہ روحانیت کی باتیں ہیں تو آپ انہیں زبان پر یا کتاب کے صفحے پر کیوں لے آئے؟ اور  
کیونکر طریقت کے اصولوں کو پامال کیا؟

کمال صوفیاء کا طریقہ یہ رہا ہے کہ دین کی تبلیغ کو اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک  
انہیں روحانی طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس کا حکم نہیں ملا۔ حتیٰ کہ مرید اپنے مرشد کے حکم پر بھی  
تخلیغ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ہم حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کا سہارا قند باحوالہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی حضرت سری مستطی علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ مرشد کی حیات  
میں ہی بھائیوں نے حضرت جنید سے عرض کیا ہمیں ایسی نصیحت فرمایا کیجیے جس سے ہمارے دلوں  
کو چین و قرار آئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک میرے شیخ اپنے مقام پر جلوہ افروز ہیں اس کوئی  
تخلیغ نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ایک رات آپ کو رسول اللہ ﷺ کا دیدار ہوا حضور ﷺ نے ان  
سے فرمایا اے جنید لوگوں کو وسط و نصیحت کیوں نہیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک جہان کو  
نجات عطا فرمائے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ یہ خیال فرما رہے تھے کہ میرا درجہ میرے شیخ  
کے درجہ میں ہیست ہو گیا ہے اور مجھے نبی کریم ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا امر فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو  
حضرت سری مستطی علیہ الرحمہ نے ایک مرید کو بھیجا کہ جب جنید نماز فجر کا سلام پھیرے تو ان سے کہنا تم  
نے مریدوں کے کہنے سے تعلیم و تبلیغ دینی اور دنیاوی مسائل کی سلاش قبول کی۔ سب کی درخواستوں  
کو رد کرتے رہے۔ میرا پیغام پہنچا تب بھی تبلیغ شروع نہیں کی۔ اب تو نبی کریم ﷺ کا حکم بھی ہو چکا  
ہے۔ اب تو حکم ہم الاف۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے جاننا کہ میرا شیخ میرے دل سے  
ظہری واقف ہے اور وہ میری ظاہری و باطنی ہر حالت سے باخبر ہیں۔ ان کا درجہ میرے درجہ سے بلند  
ہے کیونکہ وہ میرے اسرار سے واقف ہیں اور میں تو ان کے احوال سے بے خبر ہوں۔ اس کے بعد میں  
اپنے شیخ کے دربار میں حاضر ہوا اور توبہ و استغفار کیا (کشف المحجوب صفحہ ۳۶)۔

بلکہ خود انبیاء علیہم السلام نے بھی اس کام کو اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک  
انہیں آسمان سے اس کا حکم نہیں ملا ما اطاعہ الانبیاء حتیٰ عقدت علیہ من السماء  
(احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۳)۔

اس طرح کے کچے مسئلہ دعوے بہت کرتے ہیں، غیر منجید ہونے ہیں، شریعت کا مذاق

اڑاتے ہیں، آستانوں کے بند کمروں میں چبھ کر کی جانے والی گھنگو کو سر عام شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ایسی گھنگو ہوتی ہے جسے اگلے اپنے ہی خلید اور پرانے ہی بھائی آستانے پر بھی پسند نہیں کرتے۔ ایسے لوگ حضرت حسین بن منصور طایع علیہ الرحمہ کی مثال بہت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی ختوں سے نہیں ڈرتے۔ اللہ ان لوگوں پر رحم کرے۔ اول تو یہ لوگ حسین بن منصور کے مقام و مرجہ بلکہ ان والی کیفیت میں عملی طور پر موجود نہیں ہوتے بلکہ محض بن سنا کر کیفیات کا لحاف اڑھ رکھا ہوتا ہے۔ چنانچہ بالقرض اس میں صداقت موجود بھی ہو تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حسین بن منصور علیہ الرحمہ کا دعویٰ کالمین کے ہاں پسند نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

حضرت حسین بن منصور طایع علیہ الرحمہ اپنے علیہ حال میں جب حضرت عمرو بن عثمان سے جدا ہو کر حضرت حمید کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا اس لیے کہ آپ کی صحبت میں رہوں۔ آپ نے فرمایا مجھے بخنوں کی صحبت و کار نہیں ہے کیونکہ صحبت کے لیے صحت چاہیے۔ جب تم آفت کی موجودگی میں میرے قریب رہو گے تو ایسا ہی ہوگا جیسے تم نے حضرت عبداللہ تستری اور عمرو کے ساتھ رہ کر کیا اور مگر جدا ہو کر چلے آئے (کشف الغلب صفحہ ۱۹۸)۔

نیز داتا صاحب علیہ الرحمہ اپنی کتاب کشف الاسرار میں انہی طایع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے اللہ کا رازنگی میں پھینک دیا اور اس کی معرفت خاک میں مل گئی۔

واضح ہو گیا کہ مولویا کے وہ غلطیات جو ان کی زبان یا قلم سے کسی خاص حال یا کیفیت میں سرزد ہوتے ہیں، وہ طریقت کا قاعدہ نہیں بن سکتے۔ ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس سے غم نبوت کا انکار لازم آئے اور قادیانیت کو موقع ملے۔

(۲)۔ آج کل تصوف کے یہ مبلغین نہایت غالی ہوتے ہیں۔ جاہل ہونے کے باوجود علماء پر گرفت کرتے ہیں۔ اور اس بات نے اہل سنت کو نہایت عطرناک صورت حال سے دوچار کر رکھا ہے۔ یہ لوگ ادب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خود بے ادب ہوتے ہیں، یہ لوگ مولویات باتوں کو حوام کی سمجھ سے بالاتر مانتے ہیں مگر خود اپنی زبان سے ہی ایسی باتیں بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ مانتے ہیں کہ ”خطائے بزرگاں گرفتیں خطا است“ مگر خود بزرگوں پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ لوگ مولویوں کو

فتوے باز کہتے ہیں مگر خود سب سے زیادہ فتویٰ بازی کرتے ہیں، جو ان کے اپنے اصول کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ جہالت اور بے ادبی پر بھی مبنی ہوتی ہے۔ یہ لوگ سلا کا دھوٹی رکھتے ہیں مگر ہر بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ بعض لوگ ملاحتی ہونے کا دھوٹی کرتے ہیں لیکن جب کوئی ملامت کرے تو اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

اس وقت سنی علماء و صوفیاء ایسے ہی جاہل مبلغین اور عام نہاد عاشقوں کی تحقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں جنہیں تبلیغ کی اہانت ہی نہیں۔ یہ لوگ علماء سے بھگنے کی بجائے انہیں سمجھانا چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ”جہالت جمع شرارت“ کی کمال تصویر ہیں۔

(۳)۔ ان مبلغین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تصوف کی کچھ اصطلاحات یاد کر کے تصوف پر بہترین ٹیگہ روئے لیتے ہیں مگر تصوف کے عملی قواعد و مواہل سے واقف نہیں ہوتے۔ حوای نفسیات کا یہ حال ہے کہ جو شخص تصوف پر اچھی تقریر کرے یا اپنی تقریر کے دوران ردنا شروع کر دے وہ بے چارے اسے زمانے کا دلی بھٹا شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا رام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حرف دو بیٹاں بند دومردوں

تا نظر اند بر سیمے زان فسون

ترجمہ:- کینڈا دی دو بیٹوں کے الفاظ اور اصطلاحات چوری کر لیتا ہے تاکہ بھولے اور سلیم الطبع لوگوں پر اپنا منتر چلا سکے۔

ہم نے یہ باتیں اس لیے تحریر کر دی ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی منکر کا فریضہ ادا ہو سکے۔ حضرت درویش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تک صوفیاء ایک دوسرے کو ان کے محبوب پر تحیہ کرتے رہیں گے تو فحک رہیں گے، مگر جیسے ہی انہوں نے آپس میں صلح کر لی اور عیب پھوڑ دی تو ان میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی (رسالہ تفسیر یہ سلطہ ۵۱۳)۔

طریقت کے طالب کے لیے یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ دنیا میں قیامت تک حق اور باطل کی کشمکش کو جاری رہتا ہے۔ اگر باطل سرے سے ہی مٹ جائے تو قیامت آ جائے۔ کسی صاحب نظر کا قول ہے کہ لولا الحفظاء للذهب الدلیہ اگر حق ختم ہو جائے تو دنیا ہی ختم ہو

جائے۔ دراصل ہر قسم کے لوگوں کے وجود سے ہی دنیا کی رنگینی قائم ہے۔ یہ اس بے نیازی کی تقدیر کے فیصلے ہیں کہ اس نے کچھ لوگوں کے لیے جنت بنائی ہے اور کچھ کے لیے جہنم۔ لہذا صاحب طریقت کو چاہیے کہ کلمہ حق بولنا نہ چھوڑے اور امر و نہی کا فریضہ ترک نہ کرے، لیکن لوگوں میں گمراہی دیکھ کر ضرورت سے زیادہ بے یقین اور رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیب کریم ﷺ سے فرمایا: **لَتَعْلَمَنَّكَ بِأَمْرِ نَفْسِكَ لَا يَنْكُزُ لَوْ أَغْرَضْتَنِي** یعنی اے محبوب کیا آپ اپنی جان سے گزر جائیں گے اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لارہے؟ (الشعراء: ۳)۔

☆.....☆.....☆

چوتھا باب

## تصوف پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کی تردید

(سبیل السلام لمن انکر التصوف فی الاسلام)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلْحَسَنُ بِفَرْقِ الْعَالَمِينَ وَالضَّلَافِ قَوْلَ السَّلَامِ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ

وَالْفَرَسَيْنِ وَعَلَى الْمَوَاضِعِ بِهَا أَجْمَعِينَ أَفَاقِي

سوال نمبر 1۔ تصوف کے نام اور اصطلاح کا قرآن وحدیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ دوسری صدی میں مکملی بار تصوف کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

جواب :- الحمد للہ آپ نے تصوف کی اصطلاح کم از کم حیر و سہ سال پرانی تسلیم کر لی۔

میرے محترم! تصوف اپنی حقیقت کے لحاظ سے اس آیت قرآنی میں اپنی مکمل آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا زِينَتَكُمْ لَئِي إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الصَّلَاةِ تَأْتُونَهَا حُجَّةً لِلَّهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ** (البقرہ: ۶۳)۔ جب انہیں جاہل مخاطب ہوتے ہیں تو انہیں سلام کہہ کر مال دیتے ہیں (الفرقان: ۶۳)۔

جائے تصوف ترجمہ ہے تو کیا۔ اور تو کیا کالقب بھی قرآن میں بار بار استعمال ہوا ہے۔  
 چنانچہ اگر آپ یحییٰ "تصوف" کسی کی اصطلاح کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تو اس کا مادہ  
 صوف ہے اور صوفیاء کا ایک معروف قول یہ ہے کہ تصوف کا لفظ صوف سے لیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ  
 کے وہ کثیر التعداد صحابہ جو صوف کے چہرے پر دروہ حضور سے روحانی تربیت حاصل کرتے تھے۔  
 ان کے طریقہ سے تعلق کی بنا پر تصوف کو موسوم کیا گیا ہے (کشف المحجوب صفحہ ۳۱)۔

سوال نمبر 2۔ جب مسلم حکمرانوں اور خلفاء کی سرکشیاں اور اقتدار کے لیے جنگ و جدال عروج  
 پر پہنچا تو ردِ عمل میں مسلمانوں میں ایک طبقہ پیدا ہوا جس نے سیاست اور اقتدار سے لاتعلقی کا رویہ  
 اپنانا شروع کیا۔ گو یا تصوف ہمیں مت، بدعت، جمہوریت اور کیونہم کی طرح ردِ عمل کا نتیجہ ہے۔  
 جواب :- آپ نے مسلمان خلفاء کی جنگوں کی تفصیل نہیں بتائی اور نہ ہی الگ رہنے والے  
 لوگوں کا نام بتایا ہے۔ ہم عرض کیے دیتے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰؑ اور امام المومنین عاشر صدیق رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ مکمل  
 ہوئی تو بے شمار صحابہ کرام غیر جانبدار رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جیسے صوفی کا نام تو آپ نے سنا  
 ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت غزوئوں کا آئے گا جس میں بیٹھا آدمی  
 کھڑے سے بہر ہوگا، کھڑا آدمی چلتے سے بہر ہوگا، چلا آدمی دوڑتے سے بہر ہوگا۔ جو اس فتنے  
 میں پھنس گیا، یہ فتنہ اسے پھنسا دے گا۔ لہذا جو شخص اس سے بچ سکا ہو بچ جائے۔ یہ حدیث  
 بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ ان دو کتابوں پر آپ بھی بڑا احسان دیکھا کرتے ہیں اور یہ حدیث تو  
 ہے بھی ان کی متفق علیہ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۸، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۹)۔

مزید سنئے۔ نبی کریم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی کا نام حضرت ابو موسیٰ اشعری  
 رضی اللہ عنہ نے لیکن حدیث پڑھی اور فرمایا کہ میں نے علیؑ کا ساتھ دوں گا اور نہ عاتکہؓ کا (الہدایہ  
 والہدایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۸)۔

اس وقت لوگ چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ مصر میں، دوسرا کوفہ میں،  
 تیسرا شام میں اور چوتھا غیر جانبدار۔ صحابہ کرام علیہم السلام نے غیر جانبدار گروہ کو سب سے بہتر



قراردیا (الہدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۲۸)۔

مزید سماعت فرمائیے۔ حضرت اخف بن قیس ؓ اپنے گھر سے حضرت علی ؓ کی اہاد کرنے کے لیے نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکر ؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ کے چلاؤ بھائی کی مدد کرنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے فرمایا واپس چلے جاؤ۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں جنگ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ یہ حدیث سن کر وہ واپس چلے گئے۔ یہ حدیث بھی بخاری اور مسلم میں موجود ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۹، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۹)۔ آپ فرمائیے خلفاء کی رسالتی میں لاقفل رہنے والا عقد کون تھا؟ وہ ہیں امت، ہدایت، جمہوریت اور کیونکر کے بیرو کار تھے یا صحابہ کرام؟ اور بخاری و مسلم میں یہ احادیث اس کی تعلیمات ہیں یا نبی کریم ﷺ کے ارشادات؟

سوال نمبر 3۔ لاقفل کو دشمنی میں بدل گئی۔

جواب:- کو دشمنی کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کیا صوفیاء کو دشمن ہیں ہوتے ہیں یا نہیں، یہ ایک انگ بحث ہے۔ آپ نے کو دشمنی کو جس طرح جنم لینے ہوئے دکھایا ہے یہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے۔ کو دشمنی کی بنیاد قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن میں **وَإِذَا عَاثَفَ الْمُؤْمِنِينَ قُلُوبُهُمْ فَقُلْ أَسْبَغْتُ لِلَّهِ الْوَحْدَانِيَّةَ** اور بخاری اور مسلم کی احادیث اس پر شاہد ہیں۔ ایک اور حدیث شریف کے صاف الفاظ ہیں: **سَبَّوْاْ وَاعْتَدُواْ جَهَنَّمَ إِنَّ قَدْ سَبَقَ الْفُطْرُ ذُوْنَ الْحَدِيثِ** یعنی اس جہنم پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جانے والے لوگ آ کے نکل گئے ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ تھا لوگ کون سے ہیں۔ فرمایا اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)۔

اب ہم ایک نہایت دلچسپ حدیث شریف پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اگر دل میں ایمان موجود ہے تو دل کے کانوں سے سنو۔ حضرت سہاد بن ابی وقاص ؓ جیسے معروف ترین حیرانہ اصحابی دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر جنگل میں اونٹ چرانے لگ گئے۔ آپ کے بیٹے

عمر آپ کے پاس جنگل میں حاضر ہوئے۔ جب حضرت سعد نے اپنے بیٹے کو دور سے آتے دیکھا تو فرمایا: اے اللہ مجھے اس اونٹ پر سوار ہو کر آنے والے سے بچاتا۔ وہ پاس آ کر اونٹ سے اترے اور کہا: تم ادھر اپنے اونٹوں اور بکریوں میں مصروف ہو اور لوگوں کو ملک کے تنازع جات میں چھوڑ دیا ہے؟ حضرت سعد نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا چپ ہو جا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْفَقِيْرَ الْفَقِيْرَ الْفَقِيْرَ بِمَعْنٰی اللّٰهِ تَعَالٰی اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو متقی ہو، فقی ہو اور چپ کر زندگی گزارتا ہو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)۔

اس سے نقل ہم غیر جانبداری کے حق میں دو صحیح ترین حدیثیں نقل کر چکے ہیں۔ اب آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ یہ لا تعلقی کو دشمنی میں نہیں بدلی بلکہ کو دشمنی کی اصل قرآن و سنت کی تصریحات میں پہلے سے موجود ہے۔

واضح رہے کہ قرآن و سنت کے اکثر دلائل کی رو سے نفس کی اصلاح کے لیے کو دشمنی اختیار کرنا ایک عارضی اور وقتی چیز ہے۔ جبکہ بعض واضح دلائل سے مستقل طور پر تارک الدنیا ہو جانا بھی بعض بزرگوں کے حق میں ثابت ہے۔ جیسے حضرت خواجہ ابویس قرنی۔ انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے گورنر کے نام سلامتی خط لکھ کر دینے کی پیشکش فرمائی تھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ مجھے اس خط کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے زمین کی خاک پر بیٹھنا اور لوگوں سے پوشیدہ رہنا زیادہ پسند ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۱)۔ اس سے پہلے آپ حدیث پڑھ چکے ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْفَقِيْرَ الْفَقِيْرَ الْفَقِيْرَ بِمَعْنٰی اللّٰهِ تَعَالٰی اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو متقی ہو، فقی ہو اور چپ کر زندگی گزارتا ہو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۸)۔

سوال نمبر 4۔ دوسرے مذاہب میں تارک الدنیا لوگ پہلے ہی موجود تھے۔ بعد دست، بدھ مت اور جینائیت سے متاثر ہو کر اسلام میں بھی بے شمار مشرکانہ خرافات کو داخل کر دیا گیا۔

جواب:- جس بیڑی کے ذریعے آپ اس سوال تک پہنچے ہیں ہم نے پہلی طور میں اس بیڑی کے پرچے اڑا دیے ہیں۔ لہذا یہ سوال بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے۔ یعنی ایسا فساد جس کی بنیاد بھی فساد ہو۔

نیا آپ کے اس سوال میں ہی اس سوال کا جواب موجود ہے۔ چنانچہ آپ فرما رہے ہیں کہ ”دوسرے مذاہب میں تارک الدنیا لوگ پہلے ہی موجود تھے۔“

گویا ان مذاہب میں کچھ لوگ تارک الدنیا تھے اور کچھ لوگ تارک الدنیا نہیں تھے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ان مذاہب کے تارک الدنیا لوگوں سے مشابہت سے انسان صوفی بن جاتا ہے تو انہی مذاہب میں جو لوگ تارک الدنیا نہیں ہیں ان سے مشابہت کی وجہ سے انسان منکرین تصوف کیوں نہیں بن جاتا؟ اور منکرین تصوف کی ہندومت، بدھ مت اور جیسائیت سے مشابہت لازم کیوں نہیں آتی؟

سوال نمبر 5۔ صوفی لازم کامرکز ایشیا ماوراء فریقہ رہا ہے۔ گویا یہ عرب کی پیداوار ہی نہیں۔ جناب:- اولاً آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ عرب شریف کون سے براعظم میں واقع ہے۔ یا پھر آپ بدعقوبت و دید سب کچھ فرمائے جا رہے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ عرب شریف بھی ایشیاء کا ملک ہے۔ پھر تصوف عرب کی پیداوار کیسے نہیں؟

اگر تصوف کامرکز ایشیا ماوراء فریقہ رہے ہیں تو پھر کیا ہوا؟ آپ کا کیا خیال ہے تصوف کامرکز ایشیا ماوراء فریقہ کے علاوہ کون کون سے براعظم ہونے چاہئیں؟ ان دونوں براعظموں کے علاوہ تین براعظم یہ ہیں۔

آسٹریلیا، یورپ اور امریکہ۔ فرمائیے کیا تصوف کامرکز ان غیبت براعظموں کو ہونا چاہیے تھا؟

یہی اعتراض مسٹر حکام احمد پریز نے صحاح ستہ کے مصنفین پر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تمام محدثین غم سے قفل رکھتے ہیں۔ کوئی بخارا کا رہنے والا ہے، کوئی اصلہان کا۔ کوئی ترمذ کا رہنے والا ہے اور کوئی جھٹان کا۔ پریز کا یہ اعتراض مراصر قلعہ اور جہالت پر مبنی ہے مگر وہ کہتا ہے کہ تصوف کے قرآن و سنت سے جا بہت ہونے کے باوجود اسے عجم کی پیداوار قرار دینے والے خود جب پریز کے سامنے بکھٹتے ہیں تو اس سے کس طرح جان چھڑاتے ہیں۔

سوال نمبر 6۔ کیونٹوں نے تصوف کی وجہ سے یہ مذہب کو انجین کا نام دیا تھا۔ اسی نے اسلام



حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ کام کاج کی کثرت سے اور بنگی نہیں ہیں کہ مجھے تسکین ہو جاتی ہے۔ مجھے ایک نوکر یا خادمہ عنایت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے غیر مقلدین کے مذہب پر عمل نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دوں ہوں۔ ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ مگر نوکر فراہم نہیں فرمایا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۳۵، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)۔

اب ان دلائل کو پڑھ لینے کے بعد ایک مشہور صوفی رحمت اللہ علیہ کے اس مصرعے کو ذرا غلط ثابت کر کے دکھاتا:

اویں اہنت دنیا تا میں تے ساری دنیا داراں مو

چنانچہ ضرورت اور اجتماع سنت کی حد تک صوفیاء عظیم الرضوان نے ہمیشہ دوسرے لوگوں سے بڑھ کر دنیا میں حصہ لیا ہے اور سیاست اور دینی تعلیمات میں پیش پیش رہے ہیں۔ چنانچہ صوفیاء نے یہاں تک کھدوایا ہے کہ عوام کے مسائل حل کرانے کی خالص نیت کے ساتھ حکمرانوں سے تعلقات دکھانا بھی جائز ہے۔

راجا صوفیاء ہر وقت لوگوں کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں۔ ذرا کسی آستانے پر تشریف لے جائے اور روزانہ ہزاروں افراد کی آمد و رفت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے فہمہم ذو خا جہ و عنہم ذو الخو انج کا منظر یاد آ جائے گا۔ چند مجذوب یا غیر ذمہ دار قسم کے نام نہاد صوفیاء کی باتوں کے ہم ذمہ دار نہیں۔ اس قسم کے بے شمار افراد ان ظاہری علماء میں بھی ہم دکھا سکتے ہیں جنہوں نے لوگوں کے دنیاوی مسائل حل کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ محض امد و بخش کر شروع اور تقاسیر لکھتے رہے اور بعض نے تو اتنا بھی نہیں کیا۔ اور بعض صرف درباری ملا بہن کر زندگی گزار گئے۔

صوفیاء کرام عظیم الرضوان نے ہر زمانے میں انبیاء کا نقشہ کرنے کی بجائے دین کی خدمت کی ہے اور ان کی خدمات کو کوئی دوسرا مافی کال نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو خدا اور رسول کی اس طرح اطاعت کرے کہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں حدیث (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۲۱۴)۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی علم کلام پر تحقیقات اور دیگر موضوعات پر تصانیف اہل علم سے مخفی نہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں شریعت پر سخت زور دیا ہے، کم ظرف اور غیر ذمہ دار لوگوں کی سخت تردید کی ہے اور اپنی کتاب کا آغاز علم کے باب سے کیا ہے۔ اس کتاب میں اکثر روایات بخاری شریف سے لی گئی ہیں۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے اپنی کتاب غیۃ الطالبین میں شری علوم کے دریا بہا دیے ہیں۔ بد مذہب لوگوں اور باطل فرقوں کا نام لے لے کر اور سرعیاں قائم کر کر کے رد فرمایا ہے۔ نیز آپ کا بادشاہ وقت کو سرزنش فرمانا آپ کی سوانح حیات کی کتب میں صراحتاً مذکور ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ نے نوے لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھایا۔ اگر ان کے نزدیک کفر اور اسلام میں کوئی فرق نہیں تھا تو پھر کسی کو مسلمان کرنے اور کلمہ پڑھانے کا کیا مطلب؟

ہلاکو خان کے مقابلے پر مسلمانوں کے کام آ کر انقلاب برپا کر دینے والا شخص ایک صوفی ہی تھا نہ کہ کوئی غیر مقلد۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر بادشاہ سے نگرانی اور اس کے گھڑے ہوئے دین النہی کی سرعام مخالفت کی۔ اقبال علیہ الرحمۃ نے آپ ہی کے بارے میں لکھا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہا نگہر کما کے

جس کے لمس گرم سے گرمی احرار

آپ نے رد الفتن کے رد میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی جس کا نام رد المردافض ہے۔

حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف سبع سائل میں بار بار عقیدۃ اہل سنت کی حقانیت پر زور دیتے ہیں بلکہ پہلا باب ہی عقیدوں اور مذہبوں کے موضوع پر مرکب فرمایا ہے اور اہل بدعت و منافض اور تقصیلوں کی تباہی کر کے دکھادی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم صوفی بزرگ ہیں۔ آپ

نے تصوف کے موضوع پر انھیں المعارفین، علماء الطہل اور الاعتقاد فی مسائل الاولیاء جیسی عظیم المرتبت کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ صوفی ہونے کے باوجود آپ نے پرمغیر کی سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا۔ احمد شاہ ابدالی کو افغانستان میں خط لکھا کہ ہندوستان پر حملہ کر دو۔

یہ نگار حضرت سیدہ اللہ شاہ صاحب راشدی قدس سرہ نے انگریز کے خلاف غر جہادین کھڑے کر دیے اور ہال آف انگریز ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

حضرت میر علی شاہ گولڑی رحمت اللہ علیہ نے مرزا قادیانی کا مقابلہ کیا۔ اس کے مناظرے کے نتیجے کو قبول فرمایا اور قادیانیوں کے خلاف شمس الہدیا اور سیف چشتیائی جیسی بے مثال کتابیں لکھیں۔ خواجہ خواجہ غرض کی مکمل کرتو یہ فرمائی بلکہ ان موضوعات پر مستقل کتابیں لکھیں۔

پاکستان بنانے میں حضرت میر جماعت علی شاہ صاحب، حضرت میر سائیں محمد قاسم مشوری، میر صاحب مانگی شریف، میرا شریف، زکوڑی شریف، سیال شریف، بھرچوڑی شریف وغیرہم عظیم الرحمت نے آل اہل یاسنی کا غرض جس میں شمولیت فرمائی اور پاکستان مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

ہمارے شیخ کریم قطب الاقطاب حضرت میر سائیں محمد قاسم محدث مشوری قدس سرہ نے لاڈکانہ میں ہٹو کے مقابلہ پر انکیشن لانے کا اعلان کر دیا اور باطل کے رد میں ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔ آپ کی تصانیف میں فتاویٰ قاسم، معلم المرائض، اوضح البیان ان الشیعة اعداء القرآن اور البہانات الواضحات علی انہاء الدھر بالجہر بعد الصکوبات اہم کتابیں ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ جمعیت علماء پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے۔ روافض اور خواجہ کے رد میں کتابیں لکھیں۔ آپ کی کتاب مذہب شیعہ ایک نہایت محققانہ کتاب ہے۔

افغانستان میں تحریک دینی سلسلے کے مولیاء خانانہ ہوں سے لگے اور وہیں کوئٹہ و بالا کر کے دکھا دیا۔ یہ محض چند مثالیں ہیں جو ہم نے پیش کیں، ورنہ اس موضوع پر اگر لکھنے بیٹھا جائے تو دفینوں کے دفتر چار ہو سکتے ہیں۔

آج بھی پاک و ہند میں اہم ترین دینی مدارس انجمنی صوفیاء کے آستانوں پر قائم ہیں۔ لہذا صوفیاء کرام طہیم الرضوان پر بے حسی، شرعی معاملات میں عدم دلچسپی اور صلح کلی کا التزام نہیں لگایا جاسکتا۔ میڈیا پر داویلا کرنے والے مغرب کے زر خرید اطراو کی التزام تراشیاں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ ایسے لوگ ہر زمانے میں خریدے جاتے رہے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے بھی ایسے ہی لوگوں کو خرید لیا تھا اور یہ وعدہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

سوال نمبر 7۔ صوفیاء نے اسلامی اقتدار اور حکومت کے مقابلے پر باطنی اقتدار کا ذمہ لگ کر چاہا حتیٰ کہ خلیفہ اور گدی نشین کی اصطلاح بھی اسی حلد میں وضع کر لی۔ غوث کو دلیوں کا خلیفہ اور سربراہ مانا جاتا ہے۔ یہی انکاسب سے بڑا عہدہ ہے۔ اور ہر کچے اور سادہ لوح آدمی کو خلیفہ بنا دیا جاتا ہے۔

جواب:۔ ہمیں حیرت ہو رہی ہے کہ آپ کس طرح احنانی کے ساتھ تصوف کو حکومت کا چہرہ کہہ رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے کہ خلیفہ گدی نشین اور غوث کو سربراہ حکومت کے مقابلے پر کھڑا کیا گیا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک اسلامی زندگی کے تین مختلف شعبے ہیں۔ ان میں سے ہر شعبے کو ذیل کرنے والے لوگ مختلف ہیں۔

پہلا شعبہ اسلامی حکومت کا ہے۔ ملک میں اسلامی قانون رائج کرنا اور سزاؤں کا نفاذ کرنا، فوجیں چارہ رکھنا اور جہاد کرنا اور عوام کی فلاح و بہبود پر توجہ دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی حکومت کا قیام فرض کفایہ ہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی تجویز و خطبیں پر بھی اسے مقدم کر دیا گیا تھا۔ حکومت کی مثال باہام کے بیرونی چمکے گھسی ہے جو سخت مضبوط ہوتا ہے۔ اور اسے توڑنا آسان نہیں ہوتا۔ حکومت ڈنڈے سے اصلاح کرتی ہے۔

دوسرا شعبہ علماء کرام کا ہے۔ اپنی ضرورت کی حد تک شرعی علوم میں مہارت حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ اجتہاد کی سطح تک علم حاصل کرنا اور لوگوں کو راہنمائی دینا فرض کفایہ ہے۔ علماء کی مثال باہام کے اندرونی چمکے گھسی ہے جو مغز کے اوپر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔



علماء دہان سے اصلاح کرتے ہیں۔

تیسرا شعبہ تصوف اور روحانیت کا ہے۔ اپنے نفس کی اصلاح اور دیا کاری، تکبر، حسد وغیرہ سے بچنا اور نیت کو درست رکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ لیکن اس میں ایسی مہارت حاصل کرنا کہ دوسروں کو بھی انہی چیزوں کی تربیت دی جاسکے، فرض کفایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بندے کو خلافت نہیں دی جاتی۔ روحانی شعبے کی مثال ہادام کے اندر والے مغز گھسی ہے۔ کیونکہ آخرت کی بخشش کا دار و مدار اسی نفس کی اصلاح اور نیت کی درستی پر ہے۔

تقریباً یہ ساری بحث حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاقدس نے اپنی کتاب سر الاسرار فیما یتحتاج الیہ الابرار میں لکھی ہے۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی یہی بحث نہایت طبعی اور دو قسمی انداز سے فرمائی ہے (احیاء العلوم صفحہ ۲۳)۔

ہم بار بار واضح کر رہے ہیں کہ غیر ذمہ دار قسم کے لوگوں کی باتیں، شعر اور ان کا ہر کس و نام کس کو خلافت دے دینا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس طرح کے لوگ ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں۔ خود تصوف کے 8 ائمہ میں بھی غیر ذمہ دار اور احمق افراد کی کمی نہیں ہوگی۔ آپ خود بتائیے کیا آپ اپنے ہر فرد پر ایک جیسا احکام دے سکتے ہیں؟ کیا آپ اپنے تمام علماء کے نظریات اور تحریرات سے متفق ہیں۔

اگر تصوف میں کسی کو غوث کہہ دیا جاتا ہے تو پھر کیا ہوا؟ صوفیاء کو اپنی اصطلاحات وضع کرنے کا کھل حق حاصل ہے۔ اہل سنت کے علماء تو محدث اور اہل حدیث کا قضا حدیث کے ہر استاد کے لیے بھی استعمال نہیں کرتے جبکہ آپ کے ہاں ہر اس شخص کو محدث کہہ دیا جاتا ہے جس نے چند سال کسی مدرسے میں دیکھے کھالے ہوں اور اہل حدیث تو آپ پیدا نہیں ہوتے ہیں۔ پھر اہل حدیث، محدث اور سنی کی اصطلاح بھی قرآن و سنت سے کہیں ثابت نہیں۔ محض غوث کے لفظ پر مبنی برہمی اور ناراضگی کیوں ہے؟

سوال نمبر 8۔ صوفیاء کے باطنی نظام کے مطابق غوث، قلب اور ابدال کا نظام بنا دیا گیا ہے جو قضا و قدر پر نظر رکھتے ہیں۔ اور ان کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں۔

جواب :- اس میں قباحت ہی کیا ہے؟ اولاً تو یہ دہائی بائیس ہیں جنہیں ہر کس و نا کس اور خصوصاً ظاہریت کا حامل نہیں سمجھ سکتا۔ ہم آگے چل کر انشاء اللہ تفصیل سے بیان کریں گے کہ باطنی علوم کہاں سے ثابت ہیں۔ ہم قرآن بھی دکھائیں گے اور احادیث بھی۔ بخاری بھی پڑھیں گے اور مسلم بھی۔ فی الحال اتنا عرض ہے کہ قرآن شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

فَالْمُتَلَذِّثَاتُ الْغُرَامِيُّنَ فِي حِمْلِ الْمَوْتِ كَرِهْنَ حِمْلَهُنَّ وَلَوَّىٰ كُرْهَهُنَّ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُنَّ ذُرِّيَّتُهُنَّ وَلَا هُنَّ حُمْلًا لَّوَّيْنَ (النساء: ۵)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکام دنیا کی باطنی تدبیر کرنے والوں کی قسم اٹھائی ہے اور مدبرانِ امر اگر آپ کے خیال میں فرشتے ہوں تو ہم پوچھتے ہیں کہ فرشتے بھی تو غیر اللہ ہیں، پھر فرشتوں کو مدبراتِ امر ماننا شرک کیوں نہیں؟ اَلَمْ يَزِدْهُمْ اِلٰهًا مِّنْ اِلٰهِهِمْ (یعنی اللہ خود امر کی تدبیر فرماتا ہے) (سجده: ۵)۔ یس: ۳)۔ قرآن کے ان الفاظ میں اللہ نے خود اپنے آپ کو امر کی تدبیر کرنے والا قرار دیا ہے۔ مگر اوپر دہائی آیت میں مدبراتِ امر غیر اللہ کو کیوں کہہ دیا؟

جانیاً حدیث شریف میں ہے کہ عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ، الْاَبْدَانُ يَكُونُونَ بِالنِّشَامِ وَهُمْ اَرْبَعُونَ رَجُلًا، كُلُّمَا خَافَ وَجَلَ اَبَدْنِ اللّٰهِ فَكَانَ رَجُلًا يَسْقِيْهِمْ الْغَيْثَ وَيَنْتَقِضُ بِهِمْ عَلَيَّ الْاَشْدَاقُ وَيُحْضَرُفُ عَنْ اَهْلِ النِّشَامِ بِهِمْ الْغَذَابُ وَرَدَّ اَخْنَدُ يَعْنِي اِبْدَالِ شَامِ مِثْلِ هُوَ، چارہ چالیس مرد ہوں گے، جب بھی کوئی ابدال فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر نیا ابدال بھیج دے گا، ان کی برکت سے بارشیں ہوں گی اور ان کی برکت سے دشمنوں کے خلاف مدد ملے گی اور ان کی برکت سے شام والوں سے عذاب ظاہر نہ ہوگا (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۳۹)۔

اس حدیث میں نہ صرف ابدالوں کا ذکر ہے بلکہ ان کی برکت سے عذاب ظاہر ہونے کا ذکر بھی موجود ہے۔ آپ کے نزدیک امام احمد بن حنبل تو محدث ہی ہوں گے۔ آپ امام بخاری حلیہ الرحمہ کے استاد ہیں نہ کہ کس و نا کس۔ یہ حدیث انہوں نے اپنی کتاب مسند احمد میں بیان فرمائی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الْاَبْدَانُ فِيْ هَذِهِ الْاَفْتَةِ فَلَا تَزْنِيْنَ مِثْلَ اَنْزَالِهِمْ عَلَيَّ اَلَمْ يَحْضَرُ عَزَّ وَجَلَّ

خَلْقًا غَاثًا وَخُلُقًا نَزِيلًا إِنَّ اللَّهَ يُخَالِفُ مَا يُغَايِبُ عَنْهُ الْمُؤْمِنِينَ أَتَدْرِكُونَ

سے مشابہت رکھنے والے نہیں ابداً ہوا کریں گے۔ ایک ابدال فوت ہوگا تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا ابدال بھیج دے گا (مستدرک جلد ۵ صفحہ ۷۹)۔ اس حدیث کی سند میں کلام ہے مگر ہر کلام بھی حقیقی نہیں ہوتا اور پھر دوسری احادیث کی تائید سے قوت بھی فراہم کر رہی ہے۔

[illegible]

یہ حدیث صحیح ہے اور خصوصاً حسن حسین کے مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ مولا علیؑ سے کسی نے کہا کہ شام والوں پر لعنت بھیجیں۔ آپؑ نے فرمایا تمہیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ وہاں ابدال ہوں گے جن کی برکت سے بارش ہوگی اور دشمنوں کے خلاف مدد ملے گی اور عذاب نکلا رہے گا۔ جب ایک ابدال چلا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر دوسرا بھیج دے گا (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۲)۔

حدیث کے الفاظ **لَا تَزَالُ** (اللہ کے بندے اچھے موجود ہوتے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے) سے اخذ کرتے ہوئے ان اہل انوار کو ہمال الغیب کہا جاتا ہے۔

سوال نمبر 9۔ ابن عربی کے نزدیک صوفیاء کی ولایت نبوت سے بھی افضل ہے۔ مرزا قادیانی کو یہاں سے نبوت کا دعویٰ کرنے کا موقع ملا تھا۔

جواب :- ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبی کا خدا سے تعلق اسی نبی کی ولایت کہلاتا ہے اور نبی کا انسانوں سے تعلق اسی نبی کی نبوت کہلاتا ہے۔ نبی کی اپنی ولایت یعنی خدا سے دوستی، اسکی

اپنی نبوت یعنی انسانوں سے تعلق سے انھیں ہے۔ یہ بات شیخ اکبر کی کتب اور ان کی شروح میں تفصیل سے موجود ہے۔ پھر مر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب سیف چشتیائی میں بھی اسکی اسی طرح وضاحت فرمائی ہے۔ اور مرزا قادیانی کا اتحاد بند کر کے دکھادیا ہے۔

شیخ اکبر سیدنا محمد بن عبد اللہ بن مرثی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت تک پہنچنا ممکن ہے۔ اسے ہم اپنے سے اس طرح بلند دیکھتے ہیں جس طرح آسمان کے ستارے ہم سے بلند ہیں۔ ابن عربی علیہ الرحمہ کے اصل الفاظ یہ ہیں لَا يَصْغُ أَنْ يُنَالَهُ غُلَامُ النَّبِيِّ قَدَّالَهُ لَا إِذَا كَانَ خِزْمَ عَلِيِّ الشَّعْبَانِيِّ۔

شیخ اکبر کی عبارات کو سمجھا ہر کس و نا کس کا کام نہیں۔ خصوصاً آپ جیسے اہل حق اور متحسین کے بس میں تو بالکل ہی نہیں ہے۔

باقی رہا مرزا قادیانی تو اس عالم نے صوفیاء کے اقوال کو ہی نہیں بلکہ دوسرے علماء کے اقوال کو اور اس سے بڑھ کر قرآن و سنت کو بھی اپنی نبوت کی بنیاد بنانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ غلام احمد پر دہ خویہاں تک کہتا ہے کہ احادیث کا ذخیرہ مرزا کو نبی بنانے کا سبب بنا۔

سوال نمبر 12۔ وحدت الوجود، وحدت الشہود اور طول کے مفاد سے ہر چیز کو خدا بنادیا جاتا ہے۔ جواب:- آپ نے یہ باتیں لکھتے وقت دیانت داری سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ تحقیق ہوتے تو ایسی الزام تراشی کرتے وقت خدا کا خوف کر لیتے۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ آپ کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کو جب ہم اس مضمون میں نقل کرتے ہیں تو مکمل ایمان داری سے نقل کر کے پھر اس کا رد لکھتے ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر ہم نے خود اپنے اوپر اس طرح سخت سوالات وارد کیے ہیں کہ اس طرح سوال بنانے کا شعور آپ کو خود بھی نہیں تھا۔ ایک دیا حذر تحقیق کا بھی اعجاز ہونا چاہیے۔ اگر صحت ہے تو صوفیاء کے علوی ہونے کا ثبوت پیش کیجیے۔

یاد رکھیے کہ طول کا نظریہ سراسر کفر و الجاد ہے۔ اور صوفیاء کرام اس سے سو فیصد بری الذمہ ہیں۔

باقی رہا وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔ تو اس موضوع پر تفصیل سے عرض کرنے کی

بجائے ہم قرآن و سنت کی تصریحات آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ آپ خود نتیجہ نکال لیجیے۔ ہم نتیجہ اس لیے بیان نہیں کر رہے کہ ہم پر ان دلائل کی ایسی تفسیر کا الزام نہ لگے جو تفسیر آپ نے اپنی مخصوص جنگ کے ساتھ صوفیاء کے ہاں تلاش کر لی ہے۔

(۱)۔ اللہ کریم فرماتا ہے **قُلْ تَزُوا النِّسَاءَ وَالْأَزْوَاجَ الَّتِي فِي الْبُيُوتِ وَالْأَزْوَاجَ الَّتِي فِي الْبُيُوتِ** اور زمین کا نور ہے۔

(۲)۔ فرماتا ہے۔ **لَنْ نَحْنُ أَقْرَبَ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْيَرْدِ** (ق: ۱۶)۔

(۳)۔ فرماتا ہے۔ **فَاكْتُمُوا قَوْلَ الْكُفَرَاءِ وَجَاهِلُوا** (البقرة: ۱۱۵)۔

(۴)۔ اور فرماتا ہے۔ **وَمَا زَعَمْتَ إِلَّا ذُخْرٌ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذِي الْفَضْلِ الْعَظِيمِ** (انفال: ۷۱)۔

(۵)۔ اور فرماتا ہے۔ **إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ** (فتح: ۱۰)۔

حدیث پاک میں ہے:

(۱)۔ **مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنَنِي بِالْخَرْبِ وَمَنْ أَقْرَبَ إِلَيَّ غَيْبِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ**

**مِمَّا أَلْفَزْتُ عَلَيْهِ**، وَمَنْ يَزَالُ غَيْبِي يَنْقَرِبُ إِلَيَّ بِالْأَزْوَاجِ حَتَّى أَخْبِيَهُ، فَإِذَا أَخْبِيَهُ

**فَكُلْتُ مِنْهُ** الَّذِي يُسْفَعُ بِهِ وَتَصَوَّرَ الَّذِي يُصَوَّرُ بِهِ وَتَذَرُ الْيَمْنُ يَنْطَلِقُ بِهَا وَرَجُلُهُ الْيَمْنُ

**يَنْطَلِقُ بِهَا** وَإِنْ سَأَلْتَنِي لَا أُعْطِيَنَّكَ وَلَنْ أَسْتَعِذَّ بِكَ لِأَعِيدَنَّكَ، وَمَنْ تَزَادَ عَنْ شَيْءٍ أَتَقَاعِلُهُ

**تَزَادَ عَنْ نَفْسِ الْبُيُوتِ مِنَ الْخَوْفِ وَالْمَوْتِ وَالْأَسْخَرَةِ فَتَسْتَأْذِنِي وَلَا يَدْخُلُكَ وَمَنْ تَزَادَ**

یعنی جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے، جن

ہیزوں سے میرا بندہ میرے قریب ہوتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ پسند وہ چیز ہے جو میں

نے اس پر فرض کی ہے، میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے

محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ

سنا ہے، میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن

سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں

اسے ضرور عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پتلا مانگا ہے تو میں اسے ضرور پتلا دیتا ہوں، میں اپنے

کسی کام کے بارے میں کبھی محروم نہیں ہوا سوائے مومن کی جان لینے کے، وہ موت کو ناپسند کرتا

ہے اور میں بھی اس کی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں مگر اس کی موت ضروری ہوتی ہے (بخاری

جلد ۲ صفحہ ۹۳۳۔

(۲)۔ اَلَا تَعْلَمُ شَيْءًا غَلَا لَكَ بِاِجْلِ يَحْيٰى خَيْرًا رَّاهِدًا لِّكَ سِوَا هَرَجِزٍ بِالْجَلِّ هُوَ زَوْا فَخْلِيْمٌ وَ الْبَحَارِى

(۳)۔ اَلَا نَفَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذُنُوْبِيْ وَ لَعَنَ نَفْسِيْ خَلْفَتَا يَحْيٰى فِيْ اِسْمِ بَنَدِيْ كَيْ سَاوِيْ هُوَ جِبْ وَ هِرَا ذَكَرَ كَرَامَا هُوَ اَوَّاسِ كَيْ هَوْنَتِ مِيْرِيْ دَارِيْ سِيْ حَرَكَتِ كَرْتِيْ وَ (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۹)۔

قرآن و سنت کے اس قدردان مکتب پائانت سے بھی صوفیاء کرام نے حلول کو ہر گز ثابت نہیں فرمایا بلکہ کائنات کو محض اس کی جلوہ گاہ قرار دیا ہے۔ ہر چیز کے فنا ہو جانے کے بعد صرف خدا کا باقی رہنا الگ چیز ہے اور ہر چیز کا خود خدا میں جانا الگ چیز ہے۔ مکلی چیز حق ہے اور دوسری چیز کفر ہے۔

سوال نمبر 10۔ صوفیاء کے نزدیک قرآن و سنت کے ایک ظاہر معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی۔ اس نظر پر کی بنیاد ابن عربی نے رکھی۔ حالانکہ خطبہ چود الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اَلَا هَلْ يَلْتَمِزُ فَرَمَا يَاقَا وَ سَبِّحَا بِهٖ۔ کسی صحابی کو ظاہری اور کسی کو باطنی معنی بتانا یکساہیت نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنا نبی کریم ﷺ پر الزام ہے۔

جواب:- حضرت موسیٰ اور حضرت علیہ السلام کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک قسم کا علم تھا اور حضرت علیہ السلام کے پاس دوسری قسم کا علم تھا۔ فرمائیے علمی یہ تقسیم کس نے کی ہے؟ صوفیاء نے یا خدا نے؟

جینا حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اَتَعْلَمُ عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ لَّهِ عَلَّمْتُكَ لَآ اَعْلَمُ وَاَنَا عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ لَّهِ عَلَّمْتِيْهِ لَآ اَعْلَمُ۔ یعنی آپ کے پاس ایسا علم ہے جسے میں نہیں جانتا اور میرے پاس ایسا علم ہے جسے آپ نہیں جانتے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۳، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)۔

اب فرمائیے بخاری اور مسلم آپ کی مرغوب کتابیں ہیں کہ نہیں۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے

کہ نہیں؟ کیا اس حدیث میں علم کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں کہ نہیں؟ کیا ان دو مختلف علوم کے حاملوں کا واقعہ کافی تفصیل کے ساتھ قرآن میں بھی ہے کہ نہیں؟ یہ بھی بتائیے کہ حضرت خضر کو چل کر موسیٰ کے پاس جانا پڑا تھا یا کہ موسیٰ کو چل کر خضر کے پاس جانا پڑا تھا؟ شرعی علم کی اہمیت اور مرتبہ زیادہ اگلا یا کمتری علم کا؟

بخاری کے اسی باب میں اسی صفحہ پر یہ حدیث بھی درج ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو علم سیکھے ہیں۔ ایک علم وہ ہے جسے میں بیان کرتا ہوں۔ دوسرا علم وہ ہے کہ اگر بیان کروں تو لوگ میری گردن کاٹ دیں (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳)۔

اب ذرا ہوش سنبھال کر پوچھیے۔ علم کی یہ دو قسمیں صوفیاء بیان کر رہے ہیں یا ابو ہریرہ ؓ بلکہ حبیبہ کبریٰ علیہ الرحمۃ والعتا؟

یہ بھی فرمائیے کہ اس حدیث میں علم کی دوسری قسم سے مراد کچھ بھی سکتی۔ یا چنانچہ ہے کہ وہ دوسرا علم تمام لوگوں کو کیوں نہ بتایا گیا۔ بلکہ اگر انہیں بتایا جائے تو وہ ابو ہریرہ کی گردن کیوں کاٹتے ہیں؟ کیا ہے آپ کے پاس الاِخْلَافُ کا جواب؟ اور کیا ہے آپ کے پاس صحابہ کے بلی کیے کا جواب؟

مزید سنئے۔ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَلْکُلُّ اُمَّةٌ مِّنْهُنَّ خَلِيفَةٌ وَبَعَثَ فِي كُلِّ اُمَّةٍ نَّصِيْهًا مِّنْهُمْ لِيُذَكِّرَ الْاِنْسَانَ اَنَّهُ لِرَبِّهِمْ اَعْمٰی۔ یہ ابن عربی نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اس ارشاد کو روایت کرنے والے ابن مسعود ہیں۔ جو سفر و حضر میں حضور ﷺ کے ساتھی ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْعِلْمُ جَلَسَانٌ، فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ لَقَدْ اَمَّا الْعِلْمُ الْقَائِلُ، وَ عِلْمٌ عَلٰی الْاِنْسَانِ لَقَدْ اَمَّا خِزْيَةُ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ عَلٰی اَبْنِ الْاَدَمِ وَ اَمَّا الْاَدَمِیُّ یَعْنِیْ عِلْمٌ کِیْ دَوَّاسِیْنَ هُوَ۔ ایک علم قلب میں ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے۔ دوسرا علم زبان

پر ہوتا ہے اور یہ علم آدم کی اولاد پر اللہ کی رحمت ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۷۳)۔

سوال نمبر 11۔ عبد اللہ بن سبا یہودی اس باطنی تحریک کا سب سے بڑا پرچارک تھا۔ حضرت علیؓ نے طویلوں کو زعمہ ہلا دیا تھا۔ منصور علاج نے اسی بنا پر خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا۔

جواب :- ہم قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ باطنی علوم کا پرچارک خود خدا ہے۔ جہاں تک عبد اللہ بن سبا یہودی کا تعلق ہے تو وہ بدعت مولانا علیؓ کی الوہیت اور خلافت بلا فصل کا پرچارک تھا۔ وہ منافق تھا اور منافقوں کی فکرائی حدیث شریف میں یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والے مسلمانوں پر کچڑا چھالیں گے (صواعق مرقۃ مصطفیٰ ص ۱۶۱)۔

باقی رہا ابن منصور علاج رحمت اللہ علیہ کا دعویٰ اتنا حق تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ ابن منصور کا سب سے پہلے فوس لینے والی ہستی حضرت جنید بغدادی قدس سرہ تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمت اللہ علیہ نے بھی ان پر سخت گرفت فرمائی ہے۔ اور ان کے دعوے کو غلط قرار دیا ہے۔ وہ اپنی کتاب کشف الکجب میں لکھتے ہیں کہ ایک دن مسکن بن منصور علاج حضرت جنید بغدادی کی صحبت میں جا کر بیٹھ گئے۔ آپ نے پوچھا میرے پاس کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا آپ کی صحبت سے مستفید ہونے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا میری صحبت میں بیٹھنے کے لیے دماغی صحت کی ضرورت ہے اور تمہارے پاس دماغ نہیں ہے (کشف الکجب فارسی صفحہ ۱۶۸)۔

اولیاء کرام عظیم ارضوان نے ابن منصور کے اس دعوے کو غلطہ جالی اور عدم برداشت پر محمول فرمایا ہے۔ اور کسی مسلمان کے بارے میں حسن ظن سے کام لےنا اور اس کی بات کا اچھا مل تلاش کرنا واجب ہوتا ہے۔

آپ نے خود لکھا ہے کہ علماء حق نے اس پر سخت گرفت فرمائی۔ تو پھر مان لیجیے کہ جنید بغدادی اور داتا صاحب جیسے مولیاء علمائے حق ہیں۔

باقی رہا ابن منصور کو قتل کرنے کا اقدام۔ تو یہ اقدام حکومت کا حق کام ہوتا ہے۔ حکومت وقت نے یہ کام کر دیا تھا۔

سوال نمبر 12۔ عالم فخر کیلئے قصوف میں کشش اس لیے ہے کہ قصوف جہاد سے منع کرتا ہے۔



جواب :- کسی صوفی کی وہ مہارت ہمیں دکھائی جائے جس میں اس نے کہا ہو کہ جہاد صحیح ہے۔ ہم اختیاء اللہ خود اس پر لعنت بھیجیں گے۔ اگر آپ ایسا نہ کر سکیں تو پھر آپ خود جھوٹ بول رہے ہیں بلکہ جھوٹ سے بڑھ کر بہتان نگار ہے ہیں۔ جھوٹے پر لعنت ہے اور بہتان باعدِ حقنے والے پر کیا کچھ ہوگا خود اعجازِ فرما لیجیے۔

جائے صوفیاء کی نرم دلی اور ان میں سے بعض طیرۃ مدادِ افراد کے کلام کو غلط مفہوم پہنا کر آپ نے جہاد کا انکار برآ کر لیا ہے۔ یہی غلط مفہوم عالمِ کفر نے قرآنی آیات اور احادیث کو پہنا کر شروع کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھانت بھانت کے گمراہ لوگوں سے پہلے انہوں نے نبی کریم ﷺ کا اسمِ گرامی بھی لکھ دیا ہے۔ بلکہ جس طرح آپ نے صوفیاء کے شعروں کو غلط مفہوم پہنا یا ہے اسی طرح کفار نے حدیث کے الفاظ ٹکٹکھم نہیں آذخو آذخو آذخو نہیں تو اب کو غلط مفہوم پہنا یا ہے۔

سوال نمبر 13۔ اکبر بادشاہ نے اسی صوفی کی بنیاد پر دینِ الٰہی اچھا کر لیا تھا۔ اس وقت کے مسلمانوں نے اسے بدد کردیا تھا۔

جواب :- اکبر کی خواہش کو رد کرنے والوں کو آپ نے مسلمان کہا ہے؟ ذرا سنیے وہ کون سے مسلمان تھے۔ وہ کوئی اہل حدیث تھا یا ایک صوفی کمال۔ اکبر کا مقابلہ کرنے والی قوت کیا شخصیت کا نام محمد الف جلی فتح احمد سرہندی قدس سرہ العزیز ہے۔ آپ نے اکبر کو سجدہ نہیں کیا۔ جیل میں بند کر دیے گئے۔ آپ جیل میں ہی تھے کہ اکبر مر گیا۔ اکبر کے بیٹے جہانگیر نے تخت سنبھالا تو اسے نبی کریم ﷺ نے خواب میں تشریف لے کر فرمایا کہ ہم تم سے ناراض ہیں۔ تم نے ہمارے دوست احمد سرہندی کو قید کر رکھا ہے۔ وہ صبح اٹھ کر سیدہ عائشہؓ اور حضرت محمدؐ کو ہار کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت تک رہائی قبول نہیں کروں گا جب تک سجدہٴ تقطیعی کی بد قیڑی ختم نہیں کی جاتی۔ جہانگیر نے سجدہٴ تقطیعی ختم کرنے کا وعدہ کر لیا۔ آپ جیل سے باہر تشریف لے آئے۔

یہی وہ صوفی ہیں جو وحدت الشہود کے قائل تھے جسے آپ کفریات کی لہرست میں

ناک تھکے ہیں۔ اور یہی وہ صوفی ہیں جنہوں نے اکبر کے دین الہی کو بڑے سے اکھاڑ دیا تھا۔ یہ کام کسی اہل حدیث نے نہیں بلکہ صوفی کامل نے سرانجام دیا تھا۔ **لہ الحمد**

**سوال نمبر: 14۔** صوف کی اصطلاحات کو پائے طاق رکھ کر بتائیے کہ تصوف کی تمام تر تعلیمات کا قرآن و سنت میں کیا ثبوت ہے؟

**جواب:-** تصوف سے مراد اسلام کا روحانی نظام ہے۔ روحانیت میں خیالات کی یکسوئی اور ارتکاز کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ عقیدہ توحید کثرت خیالات سے نجات دلا کر ایک ذات کی طرف یکسوئی فراہم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا قارحہ میں شریف لے جانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر چلے جانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوہ سینا میں چلے کش ہونا، مسلمانوں کا رمضان شریف میں احکاماتِ رمضان میں یکسوئی اور حضور قلب کا حکم وغیرہ سب غیر اللہ سے انقطاع اور محفل الہی اللہ کے ذرائع ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا دنیا کی زندگی کو لعب اور لہو قرار دینا اور محتاج الغرور قرار دینا، نبی کریم ﷺ کا دنیا کو ملعون قرار دینا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)، دنیا کو مردار جانور سے بھی بدتر قرار دینا (مسلم)، حدیث میں قدم سبق المفردون کے الفاظ (مسلم)، حقے کے دور میں چلنے والے آدمی سے کھڑا بھتر، کھڑے سے بیٹھا بھتر (بخاری، مسلم)، ان اھل حبیب العبد البی اللہی اللہی (مسلم)۔ انہی باتوں پر صوفیاء کا عمل ہے۔

قرآن میں حضرت نضر اور موسیٰ علیہما السلام کا واقعہ تصوف کی بہت بڑی اساس ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا اور چاروں کو حیات دینا، اولیاء کی کرامات مثلاً حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس بے موسے بچل بچل جانا اور آصف بن برخیا علیہ الرحمہ کا تخت چھینے سے پہلے حاضر کر دینا وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نازعہ میں پھینکے جانے کا واقعہ اور آپ کا حبسی عن سوالی علمہ بحالی فرمانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخت میں آگ کا نظر آنا اور اس میں اللہ کریم جل مجدہ کی طرف سے آواز سنائی دینا (کنانی القرآن) وغیرہ تصوف کی سرکۃ ال آراء بنیادیں ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حدیث ابوہریرہ، انہی بخاری اور مسلم کی احادیث میں دو قسم کے علوم کی تصریحات، اصحاب صفہ جن کا ذکر قرآن میں بھی ہے اور احادیث و تھامیر میں بھی، احادیث کی

کتاب میں ذکر کے احباب اور ذکر کے حلقوں کے فضائل انہم علوم لا یشقی جلیسہم، کتاب الاخلاق، کتاب المرقا، کتاب الزہد، باب الحب فی اللہ، اخلاص کی احادیث، باب تعبیر المرید، کتاب السجرات، باب انکرامات وغیرہ سب باتیں تصوف سے ہی حلق ہیں۔

قرآن شریف کا شفا ہونا، حدیث شریف کے الفاظ ان فی الصلوٰۃ لشفاء، بخاری اور مسلم میں سورۃ فاتحہ کا دم، العین حق اور مؤطا امام مالک میں اس کا عجیب و غریب علاج، حدیث کی کتابوں میں باب الرقیہ کے نام سے کھل ایوب بھی تصوف ہی کے شاہ علمائے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ٹھوڑی کام، مدبرانہ امور اور احادیث میں اہل انوار اور رہاں الغیب کے تذکرہ کا کہاں تک انکار کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے تصوف کا صرف ثبوت مانگا تھا، اسلام میں تو غالب ہی تصوف نکلا۔

باقی رہی اصطلاح۔ تو زہد، تزکیہ، احسان، سلوک اور فقر ایک ہی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ قرآن و سنت میں موجود ہیں انہی کو اصطلاحاً تصوف کہا جاتا ہے و لا مشاحۃ فی الاصطلاح

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاءُ لَوْلَا صَلَاتِي اللَّهُ عَلَيَّ فَخَسِبُوا إِلَهُ وَسَلَّم

# تصوف کے میدان میں



پہلا باب

## بیعت کر لینے کے بعد

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کر لینے کے بعد کے احوال کا ذکر کرنے سے پہلے مرشد کی ضرورت مختصر انداز میں کر دی جائے اور پھر اصل موضوع کی طرف لوٹا جائے۔

مرشد کی ضرورت کیا ہے؟

مرشد کی ضرورت کا سوال ائمہ اہل بیت علیہم السلام پر بھی موضوع پر مہارت حاصل کرنے کے لیے استاد کی ضرورت کا سوال اٹھایا جائے۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ کب تک کون ہے؟ فرمایا جسے اللہ تک

کچھ کا طریقہ نہ تھا اور نہ کسی سے پوچھتا ہو (رسالہ فقیر یہ صفحہ ۱۲۵)۔

یہ پکڑنے کا مقصد دم کروالینا، قہوج لے لینا اور دعا کروالینا اور نذرانے دینا نہیں۔ مرشد پکڑنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے۔ اس راستے میں نفس اور شیطان قدم قدم پر دھوکا دیتے ہیں اور قدم قدم پر دامن کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو شخص مرشد کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھتا ہے اس کا مرشد شیطان ہے۔ من لم یکن لہ شیخ فشیخہ الشیطان۔

مرشد بننے کے لیے شرائط یہ ہیں کہ وہ صحیح العقیدہ سنی ہو، عالم ہو، باعمل ہو، اسکے مرشد نے اسے بیعت لینے کی اجازت دی ہو اور اس کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جڑا ہوا ہو۔ یہ سب باتیں اللہین آئینہ او کائناتین اور وکونو امع الصدقین سے ثابت ہیں۔

بیعت طریقت کی شرعی حیثیت استحب کی ہے۔ بعض علماء نے اسے سنت بھی لکھا ہے۔ انسان کی مخلیق کے مقصد اور نفس کی اصلاح کو مد نظر رکھا جائے تو اس پر بڑے بڑے فرائض موقوف ہیں۔ اس کے پیش نظر بعض علماء نے تصوف اور طریقت کو فرض میں قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تکبر، بدایا اور حسد، طیر و روحانی امراض سے بچاؤ کی حد تک تصوف سیکھنا فرض میں ہے خواہ یہ تعلیم کسی مرشد سے حاصل کی جائے یا بوزمی مورتوں سے۔ اس سے آگے منازل سلوک طے کرنا مستحب ہے اور اس فرض سے بیعت کرنا بھی مستحب ہے۔ مذکورہ تعلیم کو ملحوظ رکھے بغیر تصوف کو مطلق فرض میں کہہ دینا غلو ہے اور حقیقت کے منافی ہے۔

## بیعت کر لینے کے بعد

ہماری بیان کردہ شرائط کے حامل شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کے بعد مرید کے لیے ضروری ہے کہ اپنے شیخ کی اطاعت کرے اور اپنے آپ کو اس طرح مرشد کے حوالے کر دے جیسے مردہ فاسل کے حوالے ہوتا ہے۔ اسی لیے مشائخ عظیم ارضوان فرماتے ہیں کہ العبد کالمیت والشیخ کالغاسل یعنی مرید میت کی طرح ہے اور مرشد فاسل دینے والے کی طرح۔

## قصہ سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات اور قصے قرآن مجید میں کثرت سے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد اولیاء کرام علیہم الرحمہ کے واقعات بھی قرآن میں موجود ہیں۔

اللہ کے پیاروں کے حالات و واقعات سننے سے آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ قلب میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ کوئی واقعات یا سامنے آ جاتا ہے جو طالبِ طریقت کی موجودہ کیفیت کے عین مطابق ہوتا ہے اور اسے اس سے لائن اور انسانی مل جاتی ہے۔ انہیں فضول قصے کہانیاں سمجھنا کفر ہے اور نادانی کی انتہا ہے۔ اللہ کریم نے قرآن میں متعدد بار قصہ سیدنا آدم علیہ السلام کو بیان فرمایا ہے، سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی کا قصہ، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کے واقعات اور خصوصاً قصہ نازمروں، سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ، سیدنا یونس علیہ السلام اور مچھلی کا قصہ، سیدنا داؤد علیہ السلام کا قصہ، سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قصہ، سیدنا شعیب علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہما السلام کا قصہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور درخت کی آگ کا قصہ اور ان کا فرعون کے ساتھ مقابلے کا طویل سلسلہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کا قصہ۔

پھر قرآن یہ بھی فرماتا ہے کہ منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص کہ بعض انبیاء کے قصے ہم نے بیان کر دیے ہیں اور بعض کے نہیں کیے (مومن: ۷۸)۔ تمام قصوں سے افضل یعنی احسن القصص حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے۔ لیکن نقص علیک احسن القصص (یوسف: ۳)۔

ان واقعات و قصص کو بیان کرنے کی حکمت قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے کہ نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہا فزادک تاکہ ان قصوں کے ذریعے مجاہد محبوب ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں (ہود: ۱۲)۔

یہ فرمایا: فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب یعنی ان کے قصے سے عقلمندوں کی آنکھیں کھلتی ہیں (یوسف: ۱۱۱)۔ اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی سیدنا موسیٰ و سیدنا خضر علیہما السلام کا

قصہ ہے۔ جو قرآن، مجید، بخاری، مسلم اور بے شمار دیگر کتب میں محفوظ ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: بعد میں کسی نے پوچھا کیا آپ سے کوئی بڑا عالم اس وقت دنیا میں موجود ہے؟ آپ نے اپنی معلومات کے مطابق اظہار حقیقت کے طور پر فرمایا: نہیں۔ اس پر اللہ کریم کی طرف سے خطاب ہوا کہ آپ نے علم کو میری طرف منسوب کیوں نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میرا بندہ حضرت آپ سے زیادہ علم والا ہے جو دو دریاؤں کے سنگم کے پاس رہتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا ہاری تعالیٰ میں تیرے بندے تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ فرمایا: ایک چھلی اپنے ساتھ رکھ لو۔ جہاں وہ چھلی گم ہو جائے وہ بندہ ادھر ہی ہوگا۔ آپ بل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کے خادم حضرت یوشع بن نونؑ بھی تھے۔ آپ نے ایک چھلی تھیلے میں ڈال لی۔ چلتے چلتے جب دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو دونوں نے آرام کیا۔ اس دوران چھلی تھیلے میں تڑپا اور دریا میں کود گئی اور جب طرے سے پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت میں سفر کیا۔ چھلی والا واقعہ نو جوان نے دیکھا تھا مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گیا۔ پھر انہوں نے سفر جاری رکھا اور دن کا باقی حصہ اور رات بھر سفر کرتے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانا نکالو، اس سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا ہے۔ جوان نے عرض کیا حضور چھلی نکال چکے پر دریا میں چلی گئی تھی اور مجھے شیطان نے بھلا دیا اور میں آپ سے عرض نہیں کر سکا۔ فرمایا: وہی جگہ ہے جہاں ہم نے پہنچنا تھا۔ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر واپس گئے۔ حتیٰ کہ دریاؤں کے سنگم کے پاس چٹان پر گئے۔ وہاں ایک آدمی کپڑا اوڑھ کر سو رہا تھا۔ آپ نے اسے سلام فرمایا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ اے اللہ تیری زمین پر سلامتی کہاں ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ فرمایا بنی اسرائیل والے موسیٰ۔ فرمایا ہاں۔ آج کیسے خبر کہ میں بنی اسرائیل سے ہوں۔ فرمایا جس نے آپ کو میرے پاس بھیجا ہے اسی نے مجھے خبر دی ہے۔ آپ کو اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے میں نہیں جانتا اور مجھے اللہ نے وہ علم دیا ہے جسے آپ نہیں جانتے۔ کیسے آتا ہوا؟ فرمایا اہل اتباع علی ان تعلمن معا علمت و رشدا کیا میں آپ سے دور رشد و ہدایت سیکھنے کے لیے

آپ کی جیڑی کر سکا ہوں جو آپ نکھائے گئے ہیں؟ فرمایا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھے صبر والا پائیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میرے ساتھ چلنا ہے تو پھر مجھ سے کسی بات کے بارے میں سوال نہ کرنا جب تک میں خود نہ بتاؤں۔ فرمایا اٹھیک ہے۔

دونوں دریا کے کنارے کنارے چل پڑے۔ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری، دونوں اس کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی میں بیٹھے تھے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے بیٹھ گئی۔ اس نے سمندر میں سے چونچ میں پانی لیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے پر ایسے ہے جیسے اس چڑیا نے سمندر سے پانی لیا ہے۔

کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان سے کرایہ وصول نہیں کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان لوگوں نے آپ سے کرایہ نہیں لیا اور آپ نے احسان کا بدلہ یہ دیا کہ ان کی کشتی کا تختہ توڑ ڈالا تاکہ سب لوگ ڈوب جائیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟ انہوں نے فرمایا میں بھول گیا، مجھ سے درگزر کریں۔ کشتی سے اتر کر ساحل ساحل چل رہے تھے کہ ایک لڑکا دوسرے لڑکوں میں کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے سر سے پکڑا اور ہاتھ سے قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے نفی سی جان کو بلا وجہ قتل کر دیا، آپ نے عجب حرکت کی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اب آپ نے پہلے سے بھی زیادہ سخت بات کی ہے۔ انہوں نے فرمایا اگر میں آئندہ کوئی سوال کروں تو آپ مجھے جدا کر دیں۔ پھر چل پڑے۔ ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا۔ انہوں نے کھانا نہیں دیا۔ انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور دیوار سیدھی کر دی۔ قال المحضو بیدہ ہکذا اللہ الامد۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں نے ہمیں مہمان قبول نہیں کیا آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت وصول کر سکتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے۔ رسول



اللہ ﷻ نے فرمایا: اللہ رحم کرے موسیٰ پر، اگر وہ صبر فرمائے تو میں مزید ان کی باتیں معلوم ہو جائیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کو ان باتوں کا مطلب بتا دوں جن پر آپ نے صبر نہیں کیا۔

کشتی والی بات کا پس منظر یہ تھا کہ آگے جا کر بحری ڈاکوئی کشتیاں لوٹ رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ اس کشتی میں صیب ڈال دوں تاکہ ڈاکو اسے ناپسند کر کے چھوڑ دیں۔ جب ڈاکو اس سے آگے گزر گئے تو ان مسکینوں نے اپنی کشتی درست کر لی۔

لو کہ وہ اقصاں طرح ہے کہ اس لڑکے کا کٹر مقد تھا۔ مگر اس کے ماں باپ مسلمان تھے اور اس پر مہربان تھے۔ اس لڑکے نے بڑا ہو کر اس باپ کو بھی کفر میں جلا کر دینا تھا۔ ہم نے چاہا کہ حیرت ادب انہیں اس سے بہتر لڑکا عطا کرے جو پاک ہو اور مہربان ہو۔

دو بار والی بات اس طرح ہے کہ وہ دو بار دو عظیم لوگوں کی تھی۔ جن کا باپ نیک تھا۔ اس دو بار کے بچے نژاد تھا۔ حیرے رب نے چاہا کہ وہ لڑکے جوانی کو تکلیف کراپنا نژاد نکال لیں۔ یہ سارے کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر آپ نے صبر نہیں فرمایا۔

قصہ سیدنا موسیٰ و سیدنا خضر علیہما السلام آپ نے پڑھا۔ اس واقعہ میں بے شمار سبق اور فوائد پوشیدہ ہیں۔

۱۔ حضرت خضر علیہ السلام کا اسم گرامی بلال بن مکان ہے، خضر کا معنی ہے سرسبز۔ جہاں بیٹھے تھے وہ جگہ سرسبز و شاداب ہو جاتی تھی اس لیے خضر کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام می ہیں۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سے بڑے عالم کی نفی فرمائی۔ آپ کی یہ بات حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا سبب بنی۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کے پیاروں سے بعض اوقات ایسی بات سرزد کر آتی ہے جو بظاہر قابلِ حجاب ہوتی ہے مگر اس سے منایات کا دروازہ کھلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ زمین میں اپنا خلیفہ بنائے، مگر سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا دیا۔ اب اگر وہ ٹھہر منوعہ سے نہ کھاتے تو زمین پر کبھی نہ آتے۔ آپ کا ٹھہر منوعہ سے کھا لینا ظاہر الغرض ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ارادے کی تکمیل اسی سے ہوئی۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت نہیں فرمائی تھی بلکہ ایک طالب کی حیثیت سے گئے تھے۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے حضرت خضر علیہ السلام تک رسائی چاہتا تھا رہا ہے کہ رخسار کی تلاش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

۵۔ ان کے حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلنے سے مرشد کو تلاش کرنے کا سبق ملا۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے خادم کو ساتھ رکھنا بتا رہا ہے کہ مریدوں کی وجہ سے حصول علم سے باز نہیں آنا چاہیے اور مریدوں کو اپنے لیے حجاب نہیں بنانا چاہیے۔ فوق کل ذی علم علیم۔

۷۔ خادم کے بھول جانے میں سبق یہ ہے کہ مرید غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ انہیں ذانت ڈپٹ اور سمجھانا جائز ہے، لیکن اگر وہ کوئی عذر پیش کریں تو اس عذر کو قبول کرنا چاہیے۔ الکرم بقل العذر۔ آخر کار حضرت خضر علیہ السلام کے مل جانے سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تلاش کرتے ہیں انہیں راستہ مل ہی جاتا ہے۔ من طلب وجد۔

۸۔ حضرت خضر علیہ السلام کے فرمان کہ انک لن تستطیع معی صبر اسے معلوم ہوا کہ مرشد کامل اپنے طالب یا مرید سے فرائض کا ٹھہرا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے پاس ایک شخص بیعت کی غرض سے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا یا ابن مال و دولت سب لٹا کر آ جائے۔ وہ گیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں دے کر حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اب میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا میں آپ سے کچھ لینے نہیں آیا تھا۔ بلکہ محض بیعت کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے اسے بیعت فرمایا اور اس کی تربیت فرمائی۔

حضرت سلطان داہو علیہ الرحمہ سے بھی ان کے مرشد نے فرمایا تھا کہ اپنی بیویوں کو

طلاق دے کر آ جاؤ۔ آپ مگر پہلے تو بیویوں نے پاؤں پکڑ لیے۔ والدہ سے بھی سفارش کرائی کہ ہم انہیں اپنے حقوق معاف کرتی ہیں مگر صرف اور صرف اپنے نکاح میں رہنے دیں اور اس تعلق سے محروم نہ کریں۔ آپ نے فرمایا میں مرشد سے پوچھوں گا۔ مرشد کریم کے پاس حاضر ہو کر پوچھا تو انہوں نے بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی۔

۹۔ کان ابو ہما صالحا سے معلوم ہوا کہ اللہ کریم جل شانہ صالحین کی اولاد کا لحاظ فرماتا ہے۔

۱۰۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ رزق کا اتمام خود فرماتا ہے اور وقت سے پہلے ہی نزلانے لگا کر دیتا ہے۔

۱۱۔ حضرت عمر علیہ السلام نے کشتی کو سوراخ کیا تو فرمایا اِردت ان اعیسھا میں نے چاہا کہ کشتی میں صیب ڈالوں۔ جب بچے کو مارا تو فرمایا فَاَرَدْنَا ان یبدلھما ربھا۔ ہم نے چاہا کہ بچے بدل دیا جائے۔ جب دہرا رسیدگی کی تو فرمایا فَاَرَدْتُ ہک تیرے رب نے چاہا۔ تینوں مواقع پر میں نے چاہا۔ ہم نے چاہا۔ تیرے رب نے چاہا کے کثرت اللفاظ استعمال فرمائے۔ کشتی میں سوراخ کرنا صیب تھا لہذا اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا اِردت میں نے چاہا۔ ایک بچے کو لے جانا اور دوسرا بچے عطا کرنا صیب اور خوبی کا مجموعہ تھا، لہذا فرمایا اِردنا ہم نے چاہا۔ تاکہ صیب کو اپنی طرف اور خوبی کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔

۱۲۔ دہرا رسیدگی کرنا بھلائی ہی بھلائی تھی، لہذا اس بھلائی کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا فَاَرَدْتُ ہک تیرے رب نے چاہا۔ معلوم ہوا کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے مَا ظَنَنَّا عَنْ اَمْرِی۔ لیکن بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ صیب کو اپنی طرف اور خوبی کو رب کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ رَبِّمَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اے ہمارے رب ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ مگر شیطان نے اعتراف کی بجائے کہا تھا لٰہِیَا اَطْرَبْتٰی تو نے خود مجھے گمراہ کیا ہے۔

سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کو ایاز سے محبت تھی۔ دوسرے تمام وزیر اس پر حسد کا

شکار تھے۔ ایک روز سب نے محمود سے عرض کیا کہ آپ ایاز سے زیادہ محبت رکھتے ہیں حالانکہ ہم بھی غلامی کا حق ادا کرنے میں ہر وقت کوشاں ہیں۔ محمود نے کہا کہ خدمت میں کی یا زیارتی کی بات نہیں ہے۔ حاصل ایاز میں ایسی باتیں ہیں اور کچھ پر اسرار ادا نہیں ہیں جو آپ لوگوں میں نہیں ہیں۔ محمود نے ایک دن تمام وزراء کو جمع کیا اور ایک نہایت قیمتی ہیرا ان کے درمیان رکھ دیا۔ ایک وزیر سے کہا اپنی حکومت اس ہیرے کے نگرے کر دو۔ اس وزیر نے اس ہیرے کی شان میں ایک لمبی چوری تقریر بھرا دی اور کہنے لگا یہ ہیرا آپ کے تاج میں سجائے جانے کے قابل ہے توڑنے کے قابل نہیں۔ محمود نے اسے شاہنشاہی اور دوسرے وزیر سے ہیرا توڑنے کو کہا۔ اس وزیر نے بھی اسی طرح کی فصیح و لطیف تقریر سنا دی، باری باری تمام وزراء نے ہیرے کے قصیدے سنائے مگر اسے کسی نے نہ توڑا۔ آخر کار محمود نے ایاز سے کہا کہ اسے توڑ دو۔ ایاز نے بے مثل و جہت آگے بڑھ کر ہیرے پر تلوار مار دی اور اس کے پرچے اڑا دیے۔ پھر محمود نے پوچھا کہ تم نے اتنا قیمتی ہیرا کیوں تباہ کر دیا؟ ایاز نے اس مسئلہ پر عرض کیا حضور قطعی ہو گئی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جدا ہوئے تو جاتے وقت پوچھا اوصنی مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا: لا تطلب العلم لتحدث به و اطلبه لتعمل به یعنی علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ تقریر کرو گے بلکہ اس لیے حاصل کرو کہ عمل کر سکو (بخاری جلد ۳ صفحہ ۷۷)۔

حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مختلف سلاسل اور طرق، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں، جیسے ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہوں، جن میں سے ہر انگلی ہتھیلی کی طرف جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک انگلی پر تموز اس سفر کر کے اس انگلی کو چھوڑ کر دوسری انگلی پکڑ لے، پھر اس پر تموز اس سفر کر کے تیسری انگلی پکڑ لے تو اس کا یہ سارا وقت محض راجیگاں ہوا۔ اگر وہ ایک ہی انگلی پر چلتا جائے تو ہتھیلی کے میدان میں پہنچ جائے گا۔ بالکل بھی مثال ان لوگوں کی ہے جو فنی طریقہ بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ سلوک میں اپنے مرشد کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرو لہذا مسبب منع الاشیاخ مریضہم ان یشرک معہم فی السلوک علیہم (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ صفحہ ۸۰)۔

## آداب مریدی

- (۱)۔ اپنے مرشد سے بے پناہ محبت رکھیں۔ طریقت کا دار و مدار مرشد کی محبت پر ہے۔ اپنی شیخ کا پروردگار نہیں اور یہ یقین رکھیں کہ اگر جان بھی اس کی راہ میں چلی جائے تو خسارے کا سوا نہیں۔
- (۲)۔ اپنے مرشد کریم کے علاوہ کسی دوسرے بزرگ سے کوئی لالچ نہ رکھیں، نہ کسی کا بتایا ہوا عقیدہ کریں اور نہ اپنے مرشد سے بڑا بزرگ اس دنیا میں کسی کو سمجھیں البتہ ادب سب کا کریں اور اگر کہیں سے فیض ملے تو اسے اپنے ہی مرشد کا فیض سمجھیں۔ (۳)۔ جو مرشد کریم کہیں وہ کریں جو مرشد کریم خود کریں اس پر عمل نہ کریں۔ بعض اوقات مرشد اپنے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے ایسا کام کرتا ہے جس کا کرنا مرید کے لیے ہر حال ہے۔ (۴)۔ مرشد کریم کے پاس ادب سے ہٹیں، آپس میں بھڑ بھائی مرشد کریم کی موجودگی میں باتیں نہ کریں اور نہ آپس میں مصافحہ و طیرہ کریں۔ (۵)۔ مرشد کریم کے سامنے عقیدہ نہ کریں نہ ہی خواہش پڑھیں بلکہ یہ وقت مرشد کریم کی صورت کو دیکھتے رہنے میں گزاریں، مرشد کریم کی صحبت کو غنیمت جانیں۔ (۶)۔ مرشد کریم کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف پاؤں نہ پھیلائیں خواہ مرشد کریم موجود نہ ہوں، نہ ہی اس طرف تھوکیں، مرشد کریم کے جسم پر مرید کا سایہ نہ پڑے، مرشد کریم کا ہاتھ روم استعمال نہ کریں۔ (۷)۔ مرشد کریم کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اپنے فہم کا قصور سمجھیں اور قصہ سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام کو یاد کر لیں، مرشد کریم پر کبھی اعتراض نہ کریں خواہ مرشد کریم کا کوئی کام بظاہر غلط معلوم ہوتا ہو، مرشد کریم کی خطا مرید کی نیکی سے بہتر ہے۔ (۸)۔ اپنے مرشد کریم کی تعلیمات پر بھائیوں تک پہنچائیں، مگر ان کی سمجھ سے بالاتر بات نہ کریں۔ (۹)۔ اپنا حال (خواب و مراقبہ وغیرہ) اپنے مرشد کریم سے عرض کریں۔ (۱۰)۔ اپنے مرشد کریم سے خواہ مخواہ سوال نہ کریں البتہ اگر مرشد کریم سوالات کرنے کی اجازت دیں تو کوئی حرج نہیں، لہذا کلام نہ کریں، دیکھی آواز میں بات کریں، طریقت کی راہ پر استقامت اختیار کریں خواہ کچھ ملے یا نہ ملے، مرشد کریم، رسول کریم ﷺ و ائمہ کریم جل شانہ کا در نہ چھوڑیں۔ (۱۱)۔ اگر مرشد کریم ناراض ہو جائیں تو انہیں ناراضی کے بغیر مرید کو یقین نہ آئے، فوراً معافی کا طلب گار ہو، خواہ ناراضگی کا سبب مرید کے

نزدیک معقول نہ ہو۔

## اپنے ذاتی اسباق اور وظائف کی پابندی

اپنے مرشد کریم کی طرف سے ملنے والے ہر سبق کی پابندی کرنی چاہیے۔ تمام اذکار و مراقبات کو مکمل کیے بغیر دم نہیں لینا چاہیے۔ فقیر پر لازم ہے کہ مہمان، بیوی بچے، کوئی بھی مصروفیت حتیٰ کہ چاری بھی اس کے معمولات میں خلل اعدا نہ ہو سکے۔ ہاں اگر خداخواستہ بالکل ہی بس میں نہ رہے مثلاً بے ہوشی وغیرہ ہو جائے تو یہ ایک الگ چیز ہے۔

ذیل میں حضرت سیدنا سر سائیں رشید الدین قدس سرہ الصغیر کی کتاب ”صراط الطالبین“ کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے، جس میں سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ راشدیہ کے اذکار و افکار اس طریقے سے بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان پر عمل کرانے والے مرتبہ کمال کو پہنچے ہیں۔

## خلاصہ کتاب صراط الطالبین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَکْبَرِیَّیْنَ وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

پہلا سبق : مغرب کے بعد دو نفل پڑھ کر کیا اور مرتبہ سورۃ اخلاص بعد بسم اللہ پڑھ کر اس کا ثواب حضور غوث اعظم قدس سرہ کو بخش کیا جائے۔ اس کے بعد چار تسبیح ذکر کیا جائے۔ پہلی تسبیح لا اِلهَ اِلَّا اللہ اس طرح کہ لا الہ کے ساتھ دل میں سے ہر غیر کی نفی سیدھے کندھے کی طرف کر دی جائے اور لا اللہ کے ساتھ ایک اللہ کا اثبات سیدھے کندھے سے دل کی طرف کیا جائے اور دل پر ضرب لگائی جائے۔ آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا جائے۔ دوسری تسبیح لا اِلهَ اِلَّا اللہ تیسری تسبیح اللہ ہو۔ چوتھی تسبیح ہو۔ مرشد کا تصور مضبوط رکھا جائے۔

دوسرا سبق : یَا اللہ یَا اللہ : اس طرح پڑھیں کہ یا اللہ کو قلب سے اٹھا کر سیدھے کندھے پر

ضرب دیں اور یا ہو کو سیدھے کندھے سے اٹھا کر قلب پر ضرب کریں۔ ہر نماز کے بعد ایک تسبیح اور عشاء کے بعد پانچ تسبیح۔

تیسرا سبق، پاس انفاس: سانس باندھا جائے تو اللہ اور ہمارے تو ہوں۔

چوتھا سبق، لطائف ستہ: جسم میں چھ لطائف ہیں۔ ناف سے دواغلی نیچے نفسی لطیف، سینے میں ہائیں طرف قلبی لطیف، سینے کے درمیان سری لطیف، دائیں طرف روحی لطیف، ماتھے میں عقلی لطیف اور تالو میں انہی لطیف ہے۔ نفسی پر سانس روک کر ۲۱ مرتبہ اللہ اللہ کی ضرب لگائیں اور پھر ہر لطیفے پر نئی سانس لے کر ۲۱ مرتبہ ضرب لگائیں۔ اس کے بعد ہر لطیفے پر ایک ایک مرتبہ اللہ کی ضرب لگائیں، یہ ایک مرتبہ ہوا۔ اب اس طرح ۲۱ مرتبہ پورا کریں۔ اہمیت والا فقیر اس سے زیادہ تعداد میں پڑھے تو بہت اچھا ہے۔

پانچواں سبق، سلطان الاذکار: اللہ کو نفسی لطیف سے اٹھا کر سری، عقلی اور انہی سے گزار کر لاہوت لامکاں تک پہنچائیں۔ وہاں سے ہنو کو اپنے سر پر بھرے ہوئے منکے کی طرح اٹھیل دیں اور اس کا اثر پورے جسم میں جانے دیں۔ یہ ذکر خیال اور سانس کے ساتھ کریں۔ ۲۱ مرتبہ ذکر کریں۔

چھٹا سبق: مغرب کے بعد بیٹھ کر سانس روک کر خیال کے ساتھ لا کو نفسی لطیف سے اٹھا کر سری، عقلی اور انہی سے گزار کر لاہوت لامکاں تک پہنچائیں اور وہاں سے اللہ کو سیدھے کندھے پر لائیں اور سیدھے کندھے سے اللہ کو روحی، سری سے گزار کر قلب پر ضرب کریں۔ یہ ذکر ۲۱ مرتبہ کریں۔ اہمیت کم ہو تو کئی مرتبہ سانس لے کر ۲۱ کا عدد پورا کریں۔ جب سانس ٹوٹ جائے تو دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے دایاں ناک بند کریں اور دائیں طرف سے سانس خارج کر کے پڑھیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ قَلْبُ زَيْنٍ وَوَحْشَاكَ غَطْلُزِيْ یعنی اے اللہ تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری رضا میرا مطلوب ہے۔

ساتواں سبق، صدائے مطلق: دونوں کان شہادت کی انگلیوں سے بند کر کے ان میں سے ہر چم کی آواز پر توجہ دیں۔ یہ آواز ترقی کرے گی۔ سبھناہٹ، پھر گھنٹی پھر بانسری اور پھر کچھ سے بالاتر مست کر دینے والی آواز آئے گی۔ اس آواز کو صوتِ مریدی بھی کہتے ہیں۔

پہلا فکر، حجرِ مدور: حجر سے مراد پتھر ہے اور مدور سے مراد اڑھایا ہے۔ طالب خود کو پتھر اور ڈھیلے کی طرح بے جان سمجھے اور اپنے تمام معاملات اللہ کریم کے سپرد کر دے۔ اِنِّی اللّٰهُ یَا حُزْ شَمِ اِنِّی لَوْدُو الْاَعْلَابِ اِلٰی اَهْلِیْہَا

دوسرا فکر، وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ: طالب کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ کریم کو اپنے ساتھ جانے، خصوصاً عشاء کی نماز اور چہرے کے وقت الگ جگہ پر بھی تصور رکھے۔ تفسیر ہی حضرات اس طرح کرتے ہیں اللّٰہُ عَاطِبُوہِیْ، اللّٰہُ نَاجُوہِیْ، اللّٰہُ نَعِیْ

تیسرا فکر، فَنَاقِی الصِّفَاتِ: ان سات صفات کی خود سے نفی کرے اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے کہ میں اسی کے ستارے سے ملتا ہوں، دکھانے سے دیکھتا ہوں وغیرہ، مَنُجِیْغ، تَهْیِیْغ، غَلِیْغ، فَرِیْغ، قَدِیْغ، تَخْلِیْغ، حَیْغ

چوتھا فکر، فَنَاقِی الْوُجُوْدَ وَالْاَفَاقِ: طالب کو چاہیے کہ ہر چیز کی حقیقت پر غور کرے۔ مثلاً بظاہر دیکھنے میں درخت ہے مگر جب غور کرے تو نظر جا کر اس کے ⑥ اور ⑦ کی شکل پر پڑے گی۔ اسی طرح جب غور کرے تو ہر جگہ محبوب دیکھنے میں آئے گا۔ لَہَیْثَا تَوَلَّوْا لَقَدْ تَوَجَدْتُمْ

پانچواں فکر، ہر چہ ہست ہمہ اوست: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

چھٹا فکر، لَہَیْثَا تَوَلَّوْا السَّمُوٰتِ وَالْاَرْضِ مِثْلُ نُوْرٍ کَوْکُبٌ کَوْرٌ فِیْہَا مِضْبَاحٌ



الآیۃ : طالب کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کے قلب کے ساتھ اپنے مشائخ سلسلہ کے قلوب کو جزا ہوا دیکھے اور آخر میں اپنے شیخ کے قلب کے ساتھ اپنے قلب کو جزا ہوا دیکھے اور یہ کہے کہ عزرا نور حقیقی سے نور ہونا اور میرے مشائخ کے واسطے سے مجھ تک پہنچا۔

ساتواں فکر: اِنَّ اللّٰهَ يَخْوُلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ : یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بے حجاب میرے قریب ہے۔ ظاہر باطن دائیں بائیں حتیٰ کہ سانس سے زیادہ وہی قریب ہے۔

آٹھواں فکر : كُلُّ مَنْ غَلَبَهَا فَانٍ وَ يَبْقَى وَجْهٌ زَنَكٌ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْتِرَامِ : طالب صبح شام یہ فکر کرے کہ اللہ پاک کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ جس چیز پر بھی نظر ڈالے، اگلے لمحے اسے فانی سمجھ کر اس سے منہ موڑ لے۔

نواں فکر : لَا خَوْزٌ وَلَا قَوْلًا اِلَّا بِاللّٰهِ : طالب یہ سوچے کہ نیکی کی توفیق اور گناہ سے بچنے کی توفیق اللہ کریم کی طرف سے ہے ورنہ میں تو وہی ہوں جو مریجاؤں کا تو اپنے سے کبھی بھی نہیں اڑا سکتا اور اپنے کسی پیارے کے آنسو تک نہیں پونچھ سکتا۔

دسواں فکر : قُلِ اللّٰهُمَّ مَا لَكَ الْفَلَكَ الْاَبَدِ (آل عمران: ۲۶) : طالب غور کرے کہ مرث سے لے کر تخت الزمینی تک ہر چیز کا مالک اللہ کریم ہے۔ وہ چاہے تو مجھے کوا پر کر دے اور اگر چاہے تو اوپر کو مجھے کر دے۔

گیارہواں فکر : نانا نوے اسم آء کے تعلق، تخلق اور تعبد میں : طالب کو چاہیے کہ اللہ پاک جل شانہ کے نانا نوے نام یاد کرے۔ تخلق یہ ہے کہ ہر صفت کو طالب اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھے۔ تعلق یہ ہے کہ ہر صفت کو اپنے اندر جلوہ گرد کیے اور تعبد یہ ہے کہ ہر صفت کو دوبارہ اللہ کریم کے سپرد کر دے۔ تعلق ولایت صوفی ہے، تخلق ولایت وسطیٰ ہے اور تعبد ولایت کبریٰ ہے۔ ہر اسم پر اسی طرح صحت کرے۔

بارہواں فکر، تصور برزخ صغریٰ یعنی فتاویٰ الشیخ: غالب کو چاہیے کہ اپنے طبع کی مکمل ضروری کرے اور اپنے تمام معاملات کو اپنے طبع کے سپرد کر دے۔ اَلْغَرِیْظُ كَالْغَائِبِ وَ الشَّيْخُ كَالْغَائِبِ۔

تیسرے ہواں فکر، تصور برزخ کبریٰ یعنی فتاویٰ الرسول: غالب کو چاہیے کہ مکمل اجہم ست کرے۔ فَلِیْ اِنْ كُنْتُمْ فَحِیْزُوْنَ لِلّٰهِ فَخَبَرُوْا بِیْ خَبَرِکُمْ اَللّٰہُ چودہواں فکر، فتاویٰ اللہ: اس تصور سے قبل سیر الی اللہ تھا۔ یہ سیر فی اللہ ہے۔ سیر فی اللہ لا محدود اور عین ہے۔ اس میں محبوب کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم رکھنا ضروری ہے۔

وہ لیلین جو مجنی لاء ماکھی کتان مفلو یعنی لٹی کا دیا ہوا زہر بھتوں کے لیے شہد سے زیادہ مٹھکا ہے۔

پندرہواں فکر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چار یار کی مجلس: غالب کو چاہیے کہ خلوت میں بیٹھ کر لطیف انخی میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خفی میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، رومی میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سری میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور قلی میں مولا مشکل کشا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نور کا تصور کرے اور ان ہستیوں کی مجلس سے فیض حاصل کرے۔

سولہواں فکر، پنج تن پاک کی مجلس: لطیف انخی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خفی میں حضرت بی بی سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا، سری میں حضرت مولا مشکل کشا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، رومی میں سیدنا امام حسن اور قلی میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے نور کے فکر میں مشغول ہو اور ان ہستیوں سے فیض حاصل کرے۔

ستر ہواں فکر، اولوا العزم اعیاء کرام کی مجلس: یہ فکر اس نیت سے کرے کہ الہی اولوا العزم اعیاء علیہم السلام کے کمالات کا فیض مشائخ کرام کے واسطے سے اس عاجز کے قلب پر منکشف فرما۔ یہ فکر لطیف قلی سے شروع کرے۔ یہ لطیف حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے، رومی

لطیفہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا نوح علیہما السلام کے قدم کے نیچے ہے، سری لطیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے، مخفی لطیفہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قدم کے نیچے ہے اور اخفی لطیفہ سیدنا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم کے نیچے ہے۔

اتھارواں فکر، مار بھہ عناصر: اللہ کریم نے ہر چیز کو آگ، پانی، ہوائی سے پیدا فرمایا ہے۔ غالب کو چاہیے کہ خلوت میں بیٹھ کر اس طرح فکر کرے اور زبان سے کہے۔ جو کچھ ہے پانی ہے، جو کچھ ہے مٹی ہے، جو کچھ ہے ہوا ہے، جو کچھ ہے آگ ہے۔ اس کے بعد کہے جو کچھ ہے نور ہے۔ پھر اس ترتیب کو الٹ دے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر مٹی کا ظہور ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پر پانی کا، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا کا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آگ کا اور حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نور کا۔ جس کے سبب آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

انیسواں فکر، عالم خلق اور عالم امر: عالم دو ہیں۔ عالم خلق اور عالم امر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَا لَذَ الشَّخْلِی وَالْاَمْرِ عَالَمِ اَمْرِ عَرْشِ سے اور پر اوپر ہے جس کا راز اللہ کریم کو معلوم ہے۔ اور عالم خلق عرش سے نیچے سے لے کر تخت العرش تک ہے۔

انسانی جسم میں عالم امر سے مراد قلبی، روحی، سری، مخفی اور اخفی لطائف ہیں۔ اور عالم خلق سے مراد نفسی لطیفہ اور ار بھہ عناصر ہیں۔ غالب کو چاہیے کہ صبح شام خلوت میں بیٹھ کر ان دونوں عالموں کی طرف متوجہ ہو اور اللہ کریم جل شانہ کی صفات کا مشاہدہ کرے۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ الْخَلْقِ

## سالک کی پٹری

فقیر کے لیے تین چیزیں اس کی طریقت چلانے کے لیے دنیاوی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱) ذکر (۲) فکر (۳) نیکت اور صحبت

(۱) ذکر

ذکر کا فطری معنی ہے یاد کرنا۔ ذکر کے بارے میں بے شمار قرآنی آیات وارد ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: **وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ** یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے (الحکمت: ۲۵)۔ نیز ”فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ“ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا (البقرہ: ۱۵۲)۔

یہ ایک عظیم اعزاز ہے جو ذکر کرنے والے کو اللہ کریم نے بخشا ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ جس طرح انسان اس کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ، اللہ، اللہ کرتا رہتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کسی کے نام کی تسبیحات نہیں کرتا۔ بلکہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ:

تم میرا ذکر کرو میں تمہاری مغفرت کروں گا، تم مجھے آسانی کے وقت یاد رکھو میں تمہیں مشکل کے وقت یاد رکھوں گا، تم مجھے دل میں یاد کرو میں تمہیں چھائی میں یاد کروں گا، تم مجھے محفل میں یاد کرو میں تمہیں اس سے بھر محفل میں یاد کروں گا، تم میری طرف چل کر آؤ میں تمہاری طرف اپنی شان کے لائق دوڑ کر آؤں گا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۸-۱۲۹)۔

یہ ہے فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

اسی طرح قرآن پاک میں بے شمار آیات موجود ہیں۔ **الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ** یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہو کر، بیٹے کر اور لیٹ کر۔ یعنی ہر حالت میں میرے بندے میرا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: **الَّذِكُورِ وَاللَّهُ ذِكْرًا كَثِيرًا** یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو (احزاب: ۴۱)۔

سورہ مزمل میں آتا ہے کہ: **وَإِذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَنبُلْ إِلَيْهِ تَتَبَّعًا** یعنی اپنے رب کا نام لے اور ہر چیز کو چھوڑ کر اللہ کا ہو جا (مزمل: ۸)۔ اللہ کا ذکر کرنے کا اعزاز بتایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر سرسری نہ کر۔ ہر چیز سے ٹوٹ جا اور محض اللہ سے جڑ جا۔ اس طریقے سے اللہ کا ذکر کر۔

حدیث شریف میں ہے کہ: **الَّذِكُورِ وَاللَّهُ حَتَّىٰ يَقُولُوا مَجْنُونٍ** یعنی اللہ کا ذکر اس طرح کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہیں (مسند احمد)۔

اس حدیث میں ”لوگ تمہیں پاگل کہیں“ کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کا ذکر اس

قدر فریشتی، دہرائگی اور از خود فتنگی کے عالم میں کرنا چاہیے کہ دیکھنے والے کو آپ دہرائے محسوس ہونے لگیں۔ مقصد یہ ہے کہ اختیار رہے کی کثرت اور نوعیت سے ذکر کرونا کہ تم کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہو سکو۔ اللہ کا ذکر خود تمہیں اپنی طرف کھینچے، کسی دوسری طرف تمہارا دھیان ہی نہ جائے اور دیکھنے والے کو آپ کی بہ توجہی کی وجہ سے ایسا لگے کہ یہ شخص عقل سے ہی عاری ہے، اس کے حواس درست نہیں اور یہ کھنکھوچکا ہے۔

اس حدیث کا واضح اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ کا ذکر اپنی آواز سے کرنا جائز ہے کیونکہ جب ذکر بلند آواز سے کیا جائے گا تب ہی سنتے والے کو سنائی دے گا، اور وہ ذکر کرنے والے کو پاگل کہے گا۔ پتا چلا کہ اس حدیث میں جس ذکر کی بات ہو رہی ہے وہ بلند آواز سے ذکر ہے جسے ذکر بالجہر کہتے ہیں۔

محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا لا تقوم الساعة علی احد یقول اللہ اللہ یعنی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہوگا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۳)۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک بندہ بھی اللہ کا ذکر کرنے والا موجود ہے تو اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت کتنی سخت چیز ہے، اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکا، اس کے سامنے کوئی ظہر نہیں سکتا، اس کی تاب کوئی نہیں لاسکتا لیکن اللہ کا ذکر ایسی طاقت رکھتا ہے کہ اس کی برکت سے قیامت رکی ہوئی ہے اور دنیا کو ویران نہیں ہونے دے رہا۔

ایک دلدہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا ان شراعیع الاسلام لہ کثرت علی فاعبر لی بشئ انشبت بہ قال لا یزال لسانک و طہامن ذکر اللہ یعنی ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کے احکام بہت سارے ہیں۔ آپ مجھے مختصری بات بتادیں۔ فرمایا تیری زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: اذا مروتم برباض الجنة فارتعوا منها قائلوا عا رباض الجنة قال خلق الذکر یعنی جب تم جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزر رہو ان میں سے چہلہ کرو۔ پوچھا کیا یا رسول اللہ جنت کے باغیچوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ذکر کے طے (ترمذی

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو تمہارے اعمال سے افضل ہو، تمہارے مالک کو سب سے زیادہ پسند ہو اور تمہارے درجہ کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہو اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کی ثمرات کرنے سے بھر ہو، کھاری کردہ نہیں کانٹنے اور ان سے اپنی کردہ نہیں کٹوانے سے بھی افضل ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ حضور بتائیں، آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳)۔

یہ بات سرسری اور محض ترقیبی مت سمجھیں کہ میدان جنگ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے اور کافروں کو مارنے سے اللہ کے ذکر کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ تو اور ہندوؤں کے ساتھ جہاد کرنا تو بہت مشکل ہوتا ہے اور ایک کونے میں بیٹھ کر قلعہ کے ساتھ اللہ کا کون سا مشکل کام ہے۔ محض ذکر کرنے کو نبی کریم ﷺ نے جہاد سے افضل کیوں قرار دیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر نفس کے خلاف جہاد ہوتا ہے اور اس سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور جو جہاد میدان جنگ میں کیا جاتا ہے، ہو سکتا ہے اس کے مجاہد کی نیت ٹھیک نہ ہو اور وہ محض دکھاوے کے لیے جہاد کر رہا ہو۔ لیکن اگر نفس کی اصلاح ہوگئی، اندر بیٹھ کر، اللہ کی تسبیحات پڑھ کر ذکر، فکر اور مراقبہ کر کے اس کا باطن درست ہو گیا تو اب اس کے بعد اگر وہ جہاد کرنے جائے گا تو اب اس کا جہاد صحیح سستی میں جہاد ہوگا۔ نیت ٹھیک ہو چکی ہوگی۔ گو یا اللہ کا ذکر بنیادی خرابی کو ٹھیک کرنے کا کام دیتا ہے۔ اور اس خرابی کے ہوتے ہوئے اگر جہاد کیا جائے گا تو وہ جہاد رینگاں جائے گا۔ اسی لیے نفس کے خلاف جہاد کو نبی کریم ﷺ نے جہاد اکبر قرار دیا ہے (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۸۳)۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص سے پوچھے گا، تم نے کیا عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا باری تعالیٰ میں نے حیرتی راہ میں جہاد کیا اور جہاد کرتے کرتے شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں۔ تم نے جو چاہا تھا وہ تمہیں مل چکا۔ اب میرے ہاں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ پھر اس شخص کو منہ کے بل محسٹ کر جہنم

میں گرا دیا جائے گا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۰)۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ذکر کو جہاد پر ترجیح دی ہے اور اس کو اولیٰ یعنی بہتر چیز قرار دیا ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ ذکر کرتے کرتے کچھ مراحل اور کچھ منزلیں ایسی آتی ہیں کہ جب انسان وہاں پر پہنچتا ہے تو اس وقت واقعی اس کو پتا چلتا ہے کہ میدان جنگ میں جا کر جہاد کرنے سے ذکر کرنا افضل تھا۔ لیکن یہ بات اس وقت کچھ میں آتی ہے جب انسان پر وہ کیفیت، حالت اور وقت طاری ہوتا ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو وہ منزل دکھائے، اس مقام پر لے جائے جب انسان پر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ اللہ کا ذکر جہاد بالسیف سے بہتر ہے۔

جب کسی طالب کو بیعت کی طرف ماضی کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ بیعت ہو جاؤ یا یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ ذکر لے لو۔ یعنی ذکر لے لینا یا بیعت ہو جانا ایک ہی بات ہے۔ یہاں سے کچھ نیچے کی ذکر کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ ذکر لے لینا کو یا بیعت کر لینا ہے۔

اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ محبوب کریم ﷺ صحابہ کرام کو ذکر فرمادیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مروجہ صحابہ کرام علیہم السلام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا یہاں کوئی اہل کتاب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا اور ازہر بند کرو۔ ہاتھ اٹھاؤ اور سب کہو لا الہ الا اللہ۔ صحابہ کرام نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لا الہ الا اللہ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ! تو نے مجھے یہ نکلہ دے کر بھیجا ہے اور اسی کو آگے پہنچانے کا حکم دیا ہے اور مجھ سے اس پر جنت کا وعدہ کیا ہے تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا تم سب کو بخشش کی خوشخبری ہو۔

خبر کریں اظہیروں کو نکلوا دینے اور دروازہ بند کر دینے سے کیا مطلب ہے؟ لا الہ الا اللہ ہی بتاتا تھا تو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ کوئی فیروز نہیں ہے۔ کیا ضرورت تھی فرمانے کی کہ دروازہ بند کرو۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف حوجہ ہونے کے لیے طریقت کا ایک نکتہ ہے کہ فیروں کو بیعت میں سے نکال دیا جائے، اندھیرا کر لیا جائے اور آنکھیں بند کر لی جائیں۔ فیروز آدمی کے قلب پر

سیاہی ہو تو روحانی آفت ہوتا ہے کہ اس کی محسوس کی وجہ سے دوسروں کا فیض بھی رک جاتا ہے۔  
محفل میں بھی ایک بندہ ایسا بھی آ جاتا ہے کہ بھری محفل اس بندے کی محسوس کی وجہ سے بے  
کیف اور بے روح ہو جاتی ہے۔ ہاں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ ایسا آ جاتا ہے  
کہ اس کے نصیب کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے اس تک پہنچانا ہوتی ہے تو مرشد کا سیدنا کمال جاتا  
ہے کہ اس دن وہ فیض کے دریا بہا دیتا ہے اور سب کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ فقیر کے اپنے بس میں  
نہیں ہوتا بلکہ پیچھے سے کرم کی بات ہوتی ہے۔ نصیب والے کا نصیب اس تک پہنچنا ہوتا ہے،  
اس لیے مرشد کا سیدنا اس دن کھول دیا جاتا ہے۔

## (۲) فکر

فکر سے مراد اپنی سوچ کو اللہ کی طرف لگا دینا ہے، مختلف خیرات کے لیے فکر بھی مختلف  
ہوتے ہیں مگر عام طور پر سوچ کو اللہ کی طرف لگانے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ مرشد کا تصور رکھا  
جائے۔ زبان پر ذکر جاری ہو اور خیال میں مرشد کی صورت بسی ہوئی ہو۔ اس رحمان اور عیال کو  
مضبوط رکھنے کو فکر کہتے ہیں۔

قرآن شریف میں اللہ کریم جل شانہ نے محبوب کریم ﷺ سے فرمایا و اصبر  
فلسک مع الذین یدعون ربہم بالغلو أو العشی یریدون وجہہ ولا تعد عینک عنهم  
یعنی اے محبوب خود جا کر ان لوگوں کے پاس بیٹھا کیجیے جو صبح، شام اللہ کا ذکر کرتے ہیں، وہ اللہ کو  
دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنی نظریں ان کے چہرے سے مست ہٹا کر دیں (التکویف: ۲۸)۔ یہ اصحاب  
مذکر بات ہو رہی ہے اصحاب منذ چاہتے تھے کہ ہمارے پاس محبوب کریم ﷺ بیٹھیں لیکن محبوب  
کریم ﷺ کے پاس دینی مصروفیات کی وجہ سے اتنا وقت نہیں ہوتا تھا۔ اللہ کریم جل شانہ نے  
پہلے آپ ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ میرے محبوب کچھ لوگ منذ پر بیٹھے ہیں جو اللہ کے دیدار کے متلاشی  
ہیں اور بکھڑ ہیں۔ پھر حکم فرمایا کہ اے محبوب آپ جا کر ان کے پاس بیٹھا کریں اور اپنی نظریں  
ان کے چہروں سے نہ ہٹا کر دیں۔ نظریں نہ ہٹانے سے مراد رغبت اور محبت بھی ہو سکتی ہے اور  
نظریں نہ ہٹانے سے مراد ان کے چہروں کو دیکھتے رہنا بھی ہو سکتی ہے۔ یہیں سے ثابت ہوا کہ



اولیاء کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔

حضرت عمرو ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ پر تین دور آئے ہیں۔ ایک دور وہ تھا جب میں نبی کریم ﷺ کا دشمن تھا، اگر میں اس وقت مر جاتا تو میں سیدھا جہنمی تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ میں مسلمان ہو گیا اور پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو گیا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اپنا ہاتھ آگے بڑھا ہے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عمرو تجھے کیا ہو گیا ہے؟ حضرت عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک شرط ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہاری کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کا اعلان فرمادیجیے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جب انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ کبلی خطائیں ساری معاف ہو جاتی ہیں، جب ہجرت کرتا ہے تو خطائیں معاف ہو جاتی ہیں، جب حج کرتا ہے تو خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ گویا حضرت عمرو ابن عاصؓ کی بخشش اور مغفرت کا اعلان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں حضور کی اتنی زیادہ محبت پیدا ہو گئی کہ میں محبت اور ادب کی وجہ سے حضور کریم ﷺ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ سکتا تھا، میں نے کبھی غور سے نگاہ نہ اٹھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا ہی نہیں تھا اور مجھ سے کوئی پوچھ لینا کہ حضور کا علیہ بیان کرو تو میں بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں اس حال میں فوت ہو جاتا تو سیدھا جہنمی تھا۔ پھر تیسرا وقت آیا کہ میں کچھ امور سوچ دیے گئے، کچھ نکوئیں سوچ دی گئیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ مجھے پبلک ڈینک سے ڈر لگتا ہے کہ پتہ نہیں میری بخشش ہوگی یا نہیں (مسلم جلد ۱ صفحہ ۷۶)۔

اس حدیث میں حضرت عمرو ابن عاصؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اگر کوئی پوچھتا کہ حضور کا علیہ بتاؤ تو میں نہیں بتا سکتا تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں بیٹھا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ کی باتیں کرتے تھے اور آپ ﷺ کا علیہ مبارک ایک دوسرے سے پوچھا اور بتایا کرتے تھے۔ صورت کی باتیں ہوتی تھیں۔

آخری دنوں میں محبوب کریم ﷺ کو تکلیف تھی جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نمازیں پڑھاتے تھے۔ سوموار کے دن لوگ نماز میں کھڑے تھے کہ حبیب کریم ﷺ نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ ہم سب لوگ بھی عین نماز میں نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرہ انور قرآن کے ورق کی طرح تھا سخاؤ و جہد و زلفہ مضخف۔ پھر آپ مسکرائے اور ہمیں خیال آنے لگا کہ کہیں ہم حضور کے دیدار کی غمش کی وجہ سے نمازیں نہ توڑ بیٹھیں۔ ابو بکر اپنی ایڑیوں کے بل مصلائے امامت سے پیچھے بنے کہ شاید نبی کریم ﷺ نماز میں تشریف لانے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو اور پردہ گرا دیا۔ اسی دن آپ ﷺ کا وصال ہو گیا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۷، بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۳)۔

حضرت ہابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سرخ چادر اوڑھ کر آرام فرما رہے تھے، چادر چہرہ انور سے ہٹائی ہوئی تھی، چاند بھی نکلا ہوا تھا، میں ایک نظر رخ انور کی طرف دیکھتا اور ایک نظر چاند کی طرف دیکھتا تھا، میں نے دیکھا کہ حضور کریم ﷺ کا چہرہ انور چاند سے زیادہ شہین تھا (شمائل ترمذی صفحہ ۲)۔

ایک آدمی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ گوار کی طرح چمکدار تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کی طرح چمکدار تھا، لا، بل مثل القمر (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۲)۔

نبی کریم ﷺ کے چہرے کو صحابہ کرام نے اتنا یاد رکھا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے سر مبارک سے لے کر پاؤں مبارک تک سارا علیہ حدیث شریف کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے بال مبارک ایسے تھے، کان مبارک ایسے تھے، ابرو مبارک ایسے تھے، ناک مبارک ایسی تھی، ہونٹ مبارک ایسے تھے، دانت مبارک ایسے تھے، ہاتھ مبارک، سینہ مقدس، بال اور پی مبارک، ناخن تک بتا دیے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام علیہم السلام نے گمن کرنا دیا ہے کہ حضور کریم ﷺ کے سر مبارک میں حیرہ ہل سفید تھے اور داڑھی مبارک میں چار ہل سفید تھے۔ اتنی ہارکیوں

میں کون ہوتا ہے۔ وہی جاتا ہے جس نے حلیہ مصطفیٰ کو یاد رکھنے کا تہیہ کر لیا ہو، جس نے صورت مصطفیٰ کو حفظ کر لینے اور دل میں رکھنے اور سینے کے اندر جمانے کا تہیہ کر لیا ہو، جسکے دل کے اندر صورت مصطفیٰ بستی ہو اور جنہوں نے صورت مصطفیٰ کو اپنا دین بکھ لیا ہو، اور سبکی حق ہے۔ صورت مصطفیٰ کو دیکھنے والا ہی صحابی ہوتا ہے، اسکے علاوہ دنیا کا کوئی اور آدمی صحابیت کے مرتبے پر نہیں پہنچ سکتا۔ صورت کے اندر ہی یہ راز ہے کہ جس نے ایمان کی حالت میں اس صورت کو دیکھ لیا وہ صحابی بن گیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن مسعود سے زیادہ کسی بندے کو نہیں جانتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مطابق ہو۔ فرماتے ہیں بات ان کی حضور جیسی ہوتی تھی، کام ان کا حضور جیسا ہوتا تھا، ملائیں اور مسائل ان کے حضور جیسے ہوتے تھے۔ ان کو دیکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تصویر نظر آ جاتی تھی۔ گویا جس نے سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو وہ عبداللہ ابن مسعود کو دیکھ لے۔ یہ صرف ایک صحابی کی بات ہے کہ تمام صحابہ میں یہ بندہ سب سے زیادہ حضور سے مشابہت رکھتا تھا۔ یہ سب سے زیادہ کا کیا معنی ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ سارے ہی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اب کامیاب کوئی کس قدر ہوتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود کو میں نے سب سے کامیاب دیکھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تصویر بنے رہتے تھے۔ یہ حدیث بخاری شریف میں موجود ہے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے قول، فعل، ادا اس، اعمال اور طریقہ کار میں سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہا حضور کے بالکل مشابہ ہوتی تھیں (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)۔

حضرت حذیفہ فرما رہے ہیں کہ میں عبداللہ ابن مسعود سے بڑھ کر کسی بندے کو نہیں جانتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مطابق ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ فرما رہی ہیں کہ میں نے شہزادی رسول سے بڑھ کر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ پتا چل گیا کہ اپنا اپنا تجربہ ہے اور اپنا اپنا مشاہدہ ہے ورنہ غلامانِ مصطفیٰ ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔

یہ نبی کریم ﷺ کے تصور، پیروی اور آپ ﷺ کی صورت مبارک کو یاد رکھنے کی بات تھی۔ حضرت سلطان باہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ذال ذکر کنوں کر فکر کنیں اے یہ لفظ نکھا تو اردوں ہو  
ذا کر اوی چیز سے فکر کما دن کہ ملی نہ فارغ یاروں ہو  
کدامن آہیں تے جان چلا دن فکر کرن اسراروں ہو  
فکر دا پہنچا کوئی نہ جیو سے باہر پٹے نہ پھاڑوں ہو

(۳)۔ صحبت

تیسری چیز ہے صحبت، سنگت، صالحین کے پاس آکر بیٹھنا، مرشد کے پاس بیٹھنا، سچے بھائیوں کے پاس بیٹھنا۔

جب کوئی پودا لگایا جائے تو پودے کا لگ جانا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کی گودھی بھی کرنی پڑتی ہے اور اس کو پانی بھی دینا پڑتا ہے۔ ذکر کی مثال ایسے ہے جیسے آپ نے پودا لگا دیا ہے، مگر اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ اس کو گودھی کر رہے ہیں اور سچے بھائیوں کی صحبت ایسے ہے جیسے آپ اس کو پانی دے رہے ہیں۔ یہ تینوں چیزیں مکمل ہوں گی تو اب الف اللہ چنبے دی ہوئی میرے من و جہ مرشد لائی حوالی بات سمجھ میں آئے گی۔ اب یہ چنبے کی ہوئی اُسے گی، بڑھے گی، پھولے گی، اپنے اثرات دکھائے گی بشرطیکہ یہ تینوں چیزیں اسے مکمل طور پر فراہم ہوتی رہیں۔ ہوئی لگنا بھی ضروری ہے، اس کی گودھی کرنا بھی ضروری ہے اور اس کو پانی دینا بھی ضروری ہے۔

صحبت اتنی ضروری ہے کہ صحابی صحبت سے ہی بنتا ہے۔ جو صحبت رسول میں بیٹھا وہ صحابی بن گیا۔ صحبت اتنی اہمیت کی حامل ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ دے رہا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے پاس آپ جا کر بیٹھا کیجیے، ان کی سنگت میں بیٹھا کیجیے۔ اس سے حضور کو فائدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ حضور کریم ﷺ نے جن کے پاس جا کر بیٹھا تھا ان کو فیض میرا تھا، ان کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اس لیے اللہ کریم جل شانہ نے ان کے فائدے کے پیش نظر اپنے محبوب کو حکم دیا کہ آپ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے پاس ان کو فیض فراہم کرنے کے لیے بیٹھا کریں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کہیں اللہ کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے تو فرشتے اس محفل ذکر کو آکر ڈھانپ لیتے ہیں پھر جب وہ آسمانوں میں واپس جاتے ہیں تو اللہ کریم جل شانہ ان سے پوچھتا ہے کہ کہاں گئے تھے اور کیا دیکھا۔ وہ بتاتے ہیں ہم زمین پر گئے تھے، ہم نے دیکھا آپ کے بندے آپ کا ذکر کر رہے تھے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ وہ کیا چاہتے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کی جنت چاہتے تھے۔ آپ کے عذاب سے بچنا چاہتے تھے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ میری جنت انہوں نے دیکھی ہے۔ میری دوزخ انہوں نے دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں نہیں۔ فرمایا ان دیکھے اتنی محبت۔ فرشتے کہتے ہیں جی۔ اللہ فرماتا ہے گواہ ہو جاؤ میں نے ان سب کو بخش دیا۔ پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ان میں ایک بندہ ایسا تھا جو ذکر کرنے کی نیت سے نہیں گیا تھا وہ کسی کام سے گیا تھا وہاں جا کر بیٹھنا پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں ہوتا گواہ ہو جاؤ میں نے اس بندے کو بھی بخش دیا (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بندہ کسی اللہ کے بندے کی زیارت کی خاطر اپنے گھر سے چل پڑتا ہے، محض اس کو جا کر ملنا چاہتا ہے اور اسے راستے میں کوئی اور کام بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کا فرشتہ اس کو انسان کی شکل میں ملتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہتا ہے میں فلاں بندے سے ملنے جا رہے ہوں۔ تو فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے اس سے کوئی غرض ہے؟ وہ کہتا ہے نہیں، میں صرف اللہ کی خاطر اس کی زیارت کرنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ اللہ نے حیرے لیے پیغام بھیجا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ محض اس لیے کہ تو میرے بندے سے میری خاطر محبت کرتا ہے (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۶)۔

نور کریں اس حدیث میں اتنی دلچسپ بات ہے گویا جس بندے سے وہ ملنے جا رہا ہے وہ حقیقتاً اللہ کا نیک بندہ ہے یا نہیں یا ایک الگ بحث ہے۔ اس بندے کا خیال ہے کہ وہ اللہ کا نیک بندہ ہے، وہ اللہ کی خاطر اس سے ملنے چل پڑا ہے تو اللہ کی طرف سے اس کو بخشش کا پروانہ نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ تجھے کیا پڑی ہے کسی کے بارے میں خود

غرض کرنے کی کردہ بندہ کیا ہے تو کسی کے بارے میں کیا سوچتا ہے، تجھے اپنے نفس کے بارے میں بدگمانی سے اور دوسروں کے بارے میں حسنِ عن سے کام لینا چاہیے۔ اچھی سوچ رکھ اور گھر سے اس کی زیارت کے لیے نکل پڑ، اگر وہ آدمی برا بھی ہے تو حیرتی نیت حیرانیز اپار کر دے گی اور حیرانہ اندہ ہو جائے گا۔ کون ہے اس زمانے میں جو معصوم ہے، معصوم تو انبیاء علیہم السلام ہوتے تھے اور اب ختم نبوت کے بعد انبیاء کا سلسلہ ہی ختم ہو چکا ہے۔ تو کس معصوم کی تلاش میں ہے؟ کسی میں کوئی خطا ہوگی، کسی میں کوئی خطا ہوگی۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں۔ یہ انبیاء نہیں بلکہ عام انسان ہیں اور یہ خطا کار ہوتے ہیں۔ لہذا حسنِ عن سے کام لیتے ہوئے کسی کے پاس چلے جانا کسی کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرنا یا انسان کی تکفیل کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اچھی محفل کی مثال ایسے ہے کہ جیسے عطار ہو۔ یادہ نہیں خوشبو تجھے میں دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا تم از کم خوشبو تم تک پہنچ جائے گی اور بری محفل کی مثال ایسے ہے جیسے لوگوں کو پھونک مارنے والا ہو۔ یادہ حیرے پکڑے جلائے گا یا گندی بدبو تم تک پہنچ جائے گی (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یا امراء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من ینخال یعنی آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے، غور کر لیا کرو کہ تمہارا اٹھنا، بیٹھنا کن لوگوں میں ہے (احمد، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲)۔ جن لوگوں میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا ہو گا تم انہیں کے مذہب پر ہو، جن سے تمہیں صحبت ہے تم ان کے مذہب پر ہو، جن کے ساتھ تمہاری سنگت ہے، جس کے ساتھ تمہارے تعلقات ہیں، جن کو تم نے دل دے دیا ہے تم ان کے مذہب پر ہو۔ بے شک انسان بظاہر کلمہ پڑھتا رہے لیکن اگر اس کے دل میں عیسائی پسے ہوئے ہیں، مرزائی پسے ہوئے ہیں، ان کی محبتیں ایسی ہوتی ہیں تو وہ بے شک کلمہ پڑھتا رہے اس حدیث کی روشنی میں وہ اللہ کے ہاں عیسائی اور مرزائی سمجھا ہوا ہے۔

لہذا سوچ کے دوستیاں لگا کر، سوچ کچھ کر، اٹھا بیٹھا کر، سوچ کچھ کر یا رہنا یا کر۔ یہ باتیں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ صرف کلمہ تو منافق بھی پڑھتے تھے۔ کلمے کی حقیقت اس

بندے کو نصیب ہوتی ہے جس کا بیٹھنا کلمے والوں کے پاس ہوتا ہے۔ خاص طور سے پیر بھائیوں کا آپس میں بیٹھنا، آپس میں باتیں کرنا، اس سے بہت زیادہ فیض میسر آتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم السلام رضوان آپس میں بیٹھتے تھے، آپس میں دینی مسائل پر بحث کرتے تھے۔ قرآن پر، دین پر اور حضور کریم ﷺ کی ذات مبارک پر بات کرتے تھے۔ حضور کا علیہ مبارک ایک دوسرے سے پوچھتے تھے، حضور کی اماں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے، کوئی صحابی اگر کہیں چلے جاتے تو واپس آ کر باقی صحابہ کرام سے پوچھتے تھے کہ پیچھے حضور کریم ﷺ نے کیا باتیں کیں تھیں بھائی۔ بے شمار احادیث ایسی ہیں جو صحابی نے صحابی سے روایت کی ہیں کہ صحابی کہتا ہے کہ میں نے فلاں صحابی سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ حضور کریم ﷺ نے یوں فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ جو صحابہ حضور سے سنتے تھے، دوسرے صحابہ ان سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح حضور کریم ﷺ کی باتیں آپس میں ہوتی رہتی تھیں۔ صحابہ کرام پر ہر وقت ایسی دامن سوار رہتی تھی کہ ہم دین کی باتیں کسی طرح سے سن لیں، سمجھ لیں اور ان پر عمل کر لیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں ایک صحابی تھے جو حضور کریم ﷺ کی پیدائش کے سال میں پیدا ہوئے تھے لیکن حضور سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اب دوسرے صحابی حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ پہلے صحابی سے پوچھتے ہیں کہ بتائیے حضور ﷺ بڑے ہیں یا آپ بڑے ہیں؟ تو ان صحابی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اکبر منی وانا القدم منہ فی الصلوات یعنی رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں لیکن پیدا میں پہلے ہوا تھا (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۳)۔

عام انسان اگر یہ سوچے تو یہ کام کوئی فائدہ مند چیز نہیں کہ کون پہلے پیدا ہوا اور کون بعد میں پیدا ہوا لیکن علق والوں کے لیے یہ بڑے کام کی اور بڑے مطلب کی بات ہے۔ اس لیے کہ جب آپس میں بیٹھیں تو اپنے محبوب کی بات کریں، ان کی صورت کی باتیں کریں، ان کے چلنے کی باتیں کریں، ولادت، باسعادت کی باتیں کریں۔ چنانچہ علق محبوب سے ہر وہ بات عشاءِ مشرق کی ہو یا مغرب کی ہو وہ عین ایمان ہے اور وہ بات عین فیض کا سبب ہے۔ صحابہ کرام کا ایسی رو یہ تھا، ایسی

و طبرہ تھا، یہی انکو تعلیم دی جاتی تھی اور اسی پر وہ عمل کرتے تھے اور یہی راستہ وہ ہمیں عطا کر گئے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَجِبَتْ مُحِبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِي وَاصِلِ الْمَجَالِسِينَ فِي وَاصِلِ الْمَعَادِلِينَ فِي لَيْلَتِي** جو لوگ آپ میں مل بیٹھتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرنے کے لیے جاتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے پر بیسافر جاتے ہیں، ان کے لیے میری محبت واجب ہے یعنی میں نے ازراہ رحمت و شفقت ان سے محبت کرنا اپنے اوپر واجب کر لیا ہے (موطا امام مالک صفحہ ۷۳)۔

دوسری بھائی جب آپس میں بیٹھتے ہیں تو ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک تھاب کی دو چھریاں ہوں۔ جب وہ ایک چھری کو دوسری چھری پر مارتا ہے تو دونوں چھریاں تیز ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب دوسری بھائی آپس میں بیٹھتے ہیں اور آپس میں دین کی بات کرتے ہیں، طریقت کی بات کرتے ہیں تو دونوں کی اصلاح ہوتی ہے دونوں چھریاں تیز ہوتی ہیں۔ بات کے دوران میں ممکن ہے دوسری بھائیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو وہ جھگڑا بھی ان کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ ان کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کی اصلاح کر رہے ہیں۔ ایک دوسری بھائی دوسرے پر تنقید کر دیتا ہے تو وہ تنقید دوسرے کے لیے بڑے فائدہ کی چیز ہے، اس سے اسکا نفس مرے گا، اس کی اصلاح ہوگی۔ جو بتانے والا ہے اسے اجر ملے گا۔ یوں دین پھلتا ہے اور یوں ایک دوسرے تک فیض پہنچتا ہے اور غفلت ہوتا ہے۔

صحت اچھی بھاری چیز ہے، اچھی زبردست چیز ہے کہ ایک اللہ کے ولی تھے انھیں مہذب بابا کہتے تھے۔ ان کے پاس ان کا ایک مرید اپنے کسی ساتھی کو لے گیا۔ اس کا ساتھی بیروں کو مانتا ہی نہیں تھا اور وہ اسے زبردستی لے گیا تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ وہاں پہنچے تو بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کے ساتھی نے اشارے کرنا شروع کر دیے کہ یہاں سے چلو اس نے کہا تھوڑی دیر بیٹھو۔ آخر اس کا ساتھی وہاں سے کھسک آیا۔ مرید دوسرے دن پھر اسے پکڑ کر



لے گیا۔ وہاں پہنچ کر پھر وہ کہنے لگا اچھا یا رہی چلتا ہوں، پھر وہ نکل گیا۔ تیسرے دن وہ پھر اسے پکڑ کر لے آیا مگر تیسرے دن وہ بیٹھا تو بیٹھا ہی رہا، اٹھ ہی نہیں رہا تھا یعنی دل لگ گیا۔ بزرگ بول پڑے فرمایا بتاؤ آپ کل بھی آئے تھے اور پرسوں بھی آئے تھے کل بھی جلدی چلے گئے اور پرسوں بھی جلدی چلے گئے لیکن آج آپ جا ہی نہیں رہے ہو؟ اس بندے نے کہا کہ آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور آپ نے مجھے معاف کر بھی دیا تو آپ کے مرید تو مجھے ماری ڈالیں گے۔ ان بزرگوں نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ آپ لوگوں نے اسے کچھ بھی نہیں کہنا، پہنچا بولے گا اسے بولنے دینا۔ سب کو پہلے سکھا دیا پھر اس سے کہا کہ اب بتاؤ اس نے کہا میں پہلے دن آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہیں بیٹھے ہوئے بلکہ آپ کی جگہ پر خنجر بیٹھا ہوا ہے۔ میں دوسرے دن آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہیں بیٹھے بلکہ آپ کی جگہ پر کن بیٹھا ہوا ہے۔ آج میں تیسرے دن آیا ہوں تو آج میں نے دیکھا ہے کہ آپ انسان ہیں آپ اپنی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں کل بھی چلا گیا اور پرسوں بھی چلا گیا اور آج بیٹھا ہوں۔ بزرگ نے فرمایا کہ اس نے حق کہا۔ دراصل یہ پہلے دن آیا تو یہ خود خنجر نکسی حالت میں تھا اور ہمارے آئینے میں اسے اپنی شکل نظر آرہی تھی۔ اللہ نے اس کو خنجر سے بھر کر دیا اور صحبت کے اثر کی وجہ سے اسے خنجر سے کٹے تک پہنچا دیا۔ دوسرے دن اپنے آپ کو ہمارے اعدا کٹے کی شکل میں دیکھ لیا اور تیسرے دن آیا تو دو دن کی برکت سے اللہ کریم جل شانہ نے اسے انسانیت کے مرتبے پر پہنچا دیا۔ آج اس نے اپنے آپ کو ہمارے اعدا گھس گھس میں دیکھ لیا ہے، آج یہ انسان کے مرتبے پر پہنچ چکا ہے۔ ہم پہلے بھی دی تھے اور آج بھی دی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ المؤمنون المؤمنون یعنی مسکن مسکن کا آئینہ ہے۔ یہ انکھاب اس کے اپنے اعدا آ رہے تھے۔ یہ محفل کی برکت ہے اور اللہ کے ولی کے پاس جا کر بیٹھنے کا فیض ہے۔

حضرت ابراہیم خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پانچ چیزیں دل کے لیے دوا کا کام کرتی ہیں۔ تدبیر کے ساتھ قرآن پڑھنا، پیٹ کا خالی ہونا، اوقات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا، صبر کے وقت اللہ کے سامنے گڑگڑانا اور صالحین کی صحبت میں رہنا (رسالہ قطبیر صفحہ ۱۷۳)۔

حضرت ابو عمر زہابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب تو کسی شیخ کی مجلس میں بیٹھے اور وہ کسی علم پر گفتگو فرما رہے ہوں اور اس وقت تجھے بیٹشاب کی اشد ضرورت پڑ جائے تو ایسی حالت میں اگر تو اسی جگہ پر بیٹشاب کر دے تو یہ بھڑ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیٹشاب تو پانی سے دھو کر پاک کیا جاسکتا ہے مگر وہاں سے اٹھ جانے سے جو فوائد کمزور کے انہیں تم بھی بھی حاصل نہیں کر سکتے (کتاب الصلح صفحہ ۲۷۲)۔

حضرت شاہ عبداللطیف بہرائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحبت سہرین جس میں ہن و ڈن ہی حاج

تضا کچ نماز وقت ورائن سہن جزو

ترجمہ: محبوب کی صحبت بہت ضروری چیز ہے۔ اس کی خاطر نماز قضا کر دے، نماز کا وقت فانی کر دیا جاسکتا ہے مگر محبوب کی صحبت کا وقت دوبارہ ہاتھ نہیں آتا۔

اللہ کریم اہل شانہ مجھے اور آپ کو ان تینوں نکتوں کو ہمیشہ یاد رکھ کر عمل پیرا ہونے کی تلقین عطا فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

## بیعت کے بعد کیفیات

کثرت ذکر اور شیخ کی توجہ کی برکت سے ابتدائی طور پر فقیر کا قلب جاری ہوتا ہے۔ اچھے اچھے خواب آتے ہیں۔ اپنے مرشد اور مختلف بزرگوں کی زیارت ہوتی ہے، بعض کامرا تھکھل جاتا ہے۔ اچھے طالبوں کو کشف بھی ہونے لگتا ہے۔

ایسے ہی فقراء کے دل میں دوسے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی اپنے مرشد کے بارے میں کبھی راہ طریقت کے بارے میں اور کبھی دین اسلام کے بارے میں۔ حتیٰ کہ بعض طالب ایسے ایسے دوسروں کا شکار ہوتے ہیں کہ وہ قائل بیان ہی نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں ایسے ایسے دوسے آتے ہیں کہ جان

کے قابل نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا واقعی ایسا ہوا ہے؟ عرض کیا جی حضور۔ فرمایا ذلک صریح الایمان یہ یمن ایمان کی نشانی ہے (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸)۔

بعض فقراء جب ذکر فکر شروع کرتے ہیں تو انہیں دنیاوی نقصان ہونے لگتا ہے، یہ بھی بہت جلد پایہ فقیر ہونے کی نشانی ہے۔ دراصل ان کی روح میں محمود نہیں ہوتا بلکہ ان کی روح کیفیت کو قبول کرتی ہے اور کیفیت ان پر واردات کرتی ہے۔ ایسا فقیر معرفت میں حیر ہوتا ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ تین مرتبہ یہی کہا۔ فرمایا، اگر کج کہتے ہو تو پھر فقر کے لیے چار ہو جائے۔ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے فقر اس کی طرف اس طرح بڑھتا ہے جیسے سیلاب اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۸)۔

بعض طالبوں کے لیے ان کا علم حجاب بنتا ہے اور وہ کچھ سے بالاتر باتوں پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ مشائخ عظیم الحرمہ فرماتے ہیں کہ لا تعترض علی شیعک ایہا المرید یعنی اے مرید اپنے شیخ پر اعتراض مت کر۔

بعض طالبوں کا قلب اور دیگر لطائف فوراً جاری ہو جاتے ہیں اور بعض کے لطائف دھڑکنے لگتے ہیں اور بظاہر لطائف کا پلڑا کنار کسی کو نظر آتا ہے۔ یہ چیز ایسے طالبوں کے لیے تکبر کا سبب بن جاتی ہے اور شہرت اور تماشے کا سبب بھی بنتی ہے۔ جب کہ شہرت ممنوع ہے۔ نیز اس سے اگلی کیلیات میں جا کر یہ لطائف کا اجراء مصیبت بن جاتا ہے۔ اس لیے گہرے اور سلجیدہ مشائخ ایسی چیزوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ الٹا پسند کرتے ہیں۔ دراصل ان چیزوں کی مثال ٹھکوں کی آگ جیسی ہے۔ جو فوراً بھڑک اٹھتی ہے مگر فوراً بھسم بھی ہو جاتی ہے۔ ہمارے شیخاوارہ مقتدا حضرت علی محمد عرف میاں سامیں قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ:

ہیں ککھن جس بہاد آہیں  
یعنی یہ ٹھکوں کی آگ ہے۔

ہلکی آنچ کی دیک میں پکنا ہی لذت، مروج اور گہرائی فراہم کرتا ہے۔ طریقت کے

اس سفر میں دو کیفیات کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ قبض اور بسل۔ قبض اور بسل دراصل دو احوال ہیں جو متضامی لوگوں پر آتے ہیں۔ لیکن مہندی طالب پر بھی ان سے ملتی جلتی کیفیت آتی ہے جسے انجمنی نقضوں سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ ایک انجانی سی شخص اور پریشانی کا نام قبض ہے۔ فقیر کا دل خاموش رہنے کو چاہتا ہے اور دنیا میں کہیں اس کا دل نہیں لگتا۔ اس کے بالکل برعکس ایک انجانی سی خوشی اور کشادگی کا نام بسل ہے۔ اگر ابتدائی طالب پر یہ دو کیفیات آ جائیں تو اس کے لیے مبارک ہے۔ طریقت میں اس کا قدم مضبوط ہو چکا ہے۔

طریقت والوں کے لیے سفر ایک بے بہار دولت ہے۔ حج یا عمرے کو جانا اور یا کی سیر کرنا اور پہاڑوں میں جا کر کچھ وقت گزارنا کامیابی کی راہیں کھولتا ہے۔ سڑکوں سے اچھے اچھے خیالات آتے ہیں اور الہام کا دروازہ کھلتا ہے۔ فقیر اپنی کیفیت کو آسانی سے دیکھنے لگتا ہے اور اچھی تدبیریں اللہ کریم کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔ قبض کے دنوں میں بلندی کی طرف سفر کرنا اور بسل کے دنوں میں بلندی کی طرف سفر کرنا زیادہ تر فائدہ مند ہوتا ہے۔

طالب طریقت کو سب سے پہلے مرشد مرشد کرنا پڑتی ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو مرشد کی محبت میں گم کر بیٹھتا ہے تو اسے ثنائی الشیخ کہتے ہیں۔ پھر وہ اپنے آپ کو حضور محبوب کریم رؤف رحیم ﷺ کی محبت میں گم کر دیتا ہے تو اسے ثنائی الرسول کہتے ہیں اور جب وہ اپنے آپ کو اللہ کریم جل شانہ کی ذاتِ اقدس میں اور اس کی محبت میں گم کر دیتا ہے تو اسے ثنائی اللہ کہتے ہیں۔

## یقین کی دولت

یقین ایک دولتِ عظمیٰ ہے، اس کی متعدد جہات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے خدا ہونے کا یقین ہے۔ وہ جو بھی چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔

حدیثِ شوقی ہے کہ انا عندہن عیدیٰ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۰)۔ اگر بندہ یہ یقین رکھ لے کہ میرا رب مہربان ہے مجھے ضرور معاف کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گمان کے مطابق ہی اس سے سلوک فرمائے گا۔

جو طالب طریقت رب کو اپنا محبوب سمجھتے ہیں انکے ساتھ اسکا رویہ مختلف ہوتا ہے اور جو لوگ رب کو اپنا محب سمجھتے ہیں اور خود کو محبوب سمجھتے ہیں انکے ساتھ اسکا رویہ دوسرا ہوتا ہے۔ اگر خدا خواستہ کسی طالب سے گناہ سرزد ہو جائے تو بعض اوقات گناہ کا احساس اسکے دل میں گھر کر لیتا ہے۔ رب کے ہاں سے معافی کا ہو جانا ایک الگ بات ہے مگر وہ خود ہی اپنے آپکو معاف نہیں کرتا۔

۱۹۹۰ء میں فقیر ایک اپنے روحانی بھائی عبدالرؤف کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی رہا تھا۔ فقیر نے پوچھا کیا آپکو اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے اس قدر ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ جہت سے بجلی کا پٹھان مجھ پر گر دیا جائے۔ پھر انہوں نے فقیر سے پوچھا کیا آپکو بھی ڈر لگتا ہے؟ فقیر نے کہا ڈر تو لگتا ہے مگر مجھے اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈر نہیں لگتا بلکہ مجھے اس کی بے نیازی سے ڈر لگتا ہے۔ وہاں گر چاہے تو مجھے گناہوں کے باوجود بخش دے گا مگر چاہے تو نیکیوں کے باوجود پکڑ لے۔ فقیر نے کہا کہ انسان خودی خطا کرتا ہے، خودی خود پر گرفت کرتا ہے، خودی بچھتا تا ہے، خودی استغفار کرتا ہے اور خودی خود کو معاف کرتا ہے۔ انہوں نے فرمایا بالکل حق ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ اللہم تو بہدامتہی تو بہ ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶)۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عداامت ہی معافی ہے۔

یقین کی ایک جہت یہ ہے کہ اپنے مرشد جیسا کسی کو نہ سمجھا جائے۔ ہم نے اپنے مرشد کریم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مرید اپنے مرشد کو خانی الشیخ کہے گا وہ خانی الشیخ ہو جائے گا۔ جو اپنے مرشد کو خانی الرسول کہے گا وہ خانی الرسول ہو جائے گا اور جو اپنے مرشد کو خانی اللہ کہے گا وہ خانی اللہ ہو جائے گا۔ اگر مان لیا جائے تو مسجد ہے، اگر نہ مانا جائے تو محض ایک کروہ ہے۔

یقین کی ایک جہت یہ ہے کہ طالب طریقت جب اس مقدس راستے میں قدم رکھے تو اس یقین کے ساتھ رکھے کہ منزل مقصود تک پہنچنا محال نہیں۔ اگر حصول مقصد میں دیر لگے تو اپنے مشن سے ہار نہ آئے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے زمین میں کنواں کھودتے وقت پانی نکلنے میں

دیر لگ جائے مگر کھودنے والے کو سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ چھپے پانی موجود ہے۔ اس صورت میں یقین کی ضد مایوسی ہے۔ اور مایوسی گناہ ہے۔

ایک مرتبہ ہمارے ایک بھائی سے ہمارے مرشد کریم نے فرمایا کہ تمہارے پاس بیٹا پیدا ہوگا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کے پاس بیٹی پیدا ہو گئی۔ مگر اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ یہ بیٹی نہیں بیٹا ہے۔ میرے مرشد کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اس نے اس کا لڑکوں والا نام رکھا۔ لڑکوں والا لہاس پڑایا۔ لڑکوں کی طرح پرورش کی۔ مگر سب کو معلوم تھا کہ یہ لڑکی ہے۔ جب وہ لڑکی جوان ہو گئی تو اس کے باپ نے اس کے لیے اپنے بھائی کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ اس کے بھائی نے کہا اس سے پہلے میرا خیال تھا کہ تم شخص اپنے بھو سے خوش عقیدگی کا فکار ہو۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ تم واقعی پاگل ہو۔ رشتے کا پرزور مطالبہ جاری تھا۔ آخر کار بھائی نے تنگ آ کر رشتہ دے دیا اور کہا کہ اس سے میری جان چھڑاؤ، اس کی لڑکی کے پاس میری لڑکی چلی جائے گی تو کوئی گالی ہے؟ نکاح ہو گیا۔ رات گزری تو لڑکی نے بتایا کہ میرا شوہر مرد ہے۔ یہ درگاہ عالیہ مشوری شریف کا سچا واقعہ ہے اور اس کے گواہ آج بھی موجود ہیں۔

مرشد کا کمال ہونا ضروری ہے مگر مرید کا کمال ہونا بھی اشد ضروری ہے اور مرید کے کمال ہونے سے مراد صاحب یقین ہے۔ حضرت سلطان باہو علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں ہمیں مرشد کا کمال نہیں ملتا، میں کہتا ہوں مجھے مرید کا کمال نہیں ملتا۔

یقین کی ایک جہت یہ بھی ہے کہ انسان دو مختلف خیالات خدائے دے۔ یعنی ذیل مانتا ہو نہ ہو آپ نے دیکھا ہوگا کہ سڑک پار کرتے وقت سڑکروی لوگ مادے کا فکار ہوتے ہیں جہاں گزر جانے یا پیچھے ہٹ جانے کا فیصلہ نہیں کر پاتے۔ اسی لیے ایک مرید بھی دو مرشدوں کے درمیان کبھی فلاح نہیں پاسکتا۔ اسی لیے یک سوئی اور ذہنی اور فکار ضروری ہے۔ ایک اللہ، ایک رسول، ایک مرشد، ایک تصور اور ایک ہی خیال۔ ورنہ طریقت کا مشترک ضمیر بے گناہ و شرک ہر اسرا متشدد ہے۔

یقین کی ایک جہت کا تعلق اسلامی عقائد اور نظریات سے ہے۔ خاص طور سے اس دور میں رد افہام کی طرف سے پیدا کی جانے والی باتیں کچھ طالبوں کے لیے بے یقینی اور تذبذب

کا سبب بنتی ہے۔ واضح رہے کہ شیعہ مذہب سراسر بد شکوئیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کی باتیں سن کر اچھے خاصے لوگ اپنی تقریر کا رخ بدل دیتے ہیں۔ اپنی تحریر میں موضوع روایات لے آتے ہیں اور بعض تو بدحواس ہو کر قلم رکھ دیتے ہیں۔ اس موقع پر ضروری ہے کہ محبوب کریم رؤف رحمہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور دیگر صحابہ کے بارے میں اپنا عقیدہ اہل سنت کے مطابق مضبوط رکھا جائے۔ کسی طرف جانبدارانہ جھکاؤ نہ آنے دیا جائے جو خروج اور فتنہ کو مستلزم ہو۔ غوراج کے خلاف قلم اٹھانے کا یہ معنی نہیں کہ یہ قلم صحابہ کے خلاف اٹھا ہے اور اسی طرح رؤف رض کے خلاف قلم اٹھانے کا یہ معنی نہیں کہ یہ قلم اہل بیت اطہار کے خلاف اٹھا ہے۔ جو شخص یہاں ہے جہنم کا نکار ہو گیا وہ جہنم کا راہو اعتدال سے بھٹک گیا۔ اس مقام پر اولیاء سابقین علیہم السلام کے راستے کو اپنے لیے مشعل راہ بنانا ضروری ہے۔ اس مقام پر قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے اپنی کتاب غیۃ الطالبین میں رؤف رض کے مذاہب کو تہاہ کر کے رکھ دیا ہے اور کسی قسم کی بے چینی کو قریب نہیں آنے دیا۔ شیخ المشائخ حضور سید میر عبدالواحد بکراہی قدس سرہ المعریز نے تصوف کی مابین کتاب سچ سائل کا پہلے سہلہ میں رؤف رض اور ان کے تفسیلی فرق کو فنی کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ کتاب محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روحانی طور پر شرف قبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اور اس کتاب کے لکھنے والے بزرگ اگرچہ چشتی ہیں مگر یہ کتاب ہر سلسلے کے لوگوں کے لیے ہدایت کا سورج ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات میں رؤف مذہب کی دجیاں نکھیر دی ہیں اور ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام رد المروافض ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے ان کے خلاف بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ انضلیت شیعین پر شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب قرۃ العینین اور رؤف رض کے رد میں شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتاب قتلہ عشریہ اپنی مثال آپ ہیں۔

امام اہل سنت حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے رؤف رض کے رد میں ہیں کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں مطلع القریین، الزلال الاقبحی اور غایۃ التحقیق شیعین کی انضلیت کے

موضوع پر ہیں اور دیگر کتب ہستی موضوعات پر ہیں۔

ہمارے مرشد کریم سیدی وسیدی ومولائی حضرت قلعہ الاقطاب فقیر اعظم مطلق محمد قاسم مشوری قدس سرہ العزیز نے رد الفاضل کے رد میں اوضح البیان ان الشیخۃ اعداء القرآن تحریر فرمائی ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہ العزیز نے مذہب شیعہ نام کی کتاب لکھی ہے، جو ایک تلوار بے نیام ہے۔ آپ شیعہ کے خلاف کئی مناظروں میں شریک ہوئے اور اپنے چڑوں میں رد الفاضل کے ایک گروہ کے ساتھ طویل عرصہ تک خیر و آزار ہے۔

ان سب اللہ کے پیادوں کو یقین تھا کہ وہ حق پر ہیں اور رد الفاضل کی تردید ضروری ہے۔ خود کو وسیع القلب اور انہیں تنگ دہانہ سمجھنے والا خود نادان ہے۔

بلکہ حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مغلن والے قدس سرہ فرماتے ہیں کہ رافضی لوگ غار جیوں سے بھی بدتر ہیں (مقائیس الحجاب لیس صفحہ ۸۹۲، ۸۹۶)۔

اسی یقین کی ایک جہت کا تعلق بدھ گویوں سے ہے۔ ملی نے راستہ کاٹ لیا تو ڈر گئے، کسی نے یزیدی نظر سے دیکھ لیا تو گھبرا گئے، کسی نے کہہ دیا میں قسمیں لگاؤں سے جا دوں گا تو اس کے پاؤں پکڑ لیے، کسی نے کہہ دیا کہ میں ملاں حزار سے آیا ہوں تو اس سے تو قنات وابتہ کر لیں، کسی نے کوئی شہدہ دکھا دیا تو اسے ولی سمجھ لیا۔ اس قسم کی باتوں کے معاملے میں فقیر کو یقین کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ایسے لوگوں کو ماشاء اللہ کہہ کر جان چھڑا لینی چاہیے مگر کھری کھری سنانے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے کیے کا بدلہ اللہ کریم سے پالے گا۔

یقین کی ایک جہت کا تعلق توکل کے ساتھ ہے۔ اسباب کو اختیار کرنا اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دینا توکل کی ایک حد ہے۔ اصل اور کامل توکل یہ ہے کہ اسباب سے صرف نظر کر لیا جائے۔ محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر لوگ توکل کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو رزق اس طرح فراہم کرے جیسے پرندوں کو فراہم کرتا ہے جو صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۳۵۲)۔



شیخ اکبر قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی اللہ کے ولی سے پوچھا گیا کہ کوئی وصیت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا یاہنی سد الباب و القطع الاسباب و جالس الوہاب بکلک من غیر حجاب اے بیٹے دروازہ بند کر دے، اسباب ختم کر دے، وہاب کے پاس بیٹھ جا، وہ بغیر کسی حجاب کے تمہاری کفالت کرے گا۔

حضرت میاں محمد بخش صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

بڑی روحِ اسبابِ دلی عشقِ عری دے تھاخوں

فقیر کی نظر سب پر نہیں بلکہ سببِ الاسباب پر ہوتی چاہیے۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم طھووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

چوں دلق تھا راست کم کوئی پہ چوں گفتہ یوسف خاموشی پہ

ہنجابی میں محاورہ ہے۔

بجج بچج تھاں بھراں کلاوے جو کچھ نکلیا ادا کچھ آدے

یقین کی ایک جہت کا تعلق غیر اللہ سے ہے خوف ہو جانے سے ہے۔ یقین کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ فقیر کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بات پر یقین ہو کہ میں آسمان تک سکتے ہیں میرے محبوب کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ ایک مولانا صاحب نے بسم اللہ کی برکات پر وضع فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اگر آپ دریا میں بھی چھلانگ لگا دیں تو بخیریت پار چڑھ جائیں گے۔ ایک گڈریا نے یہ وعظ سنا اور اس نے اس پر یقین کامل دکھلایا اسے جب بھی پار جانا ہوتا بسم اللہ پڑھ کر دریا پر قدم رکھ دیتا اور پار چھلانگ جاتا۔ ایک دن وہی مولانا صاحب دریا کے کنارے کشتی کا انتظار فرما رہے تھے۔ گڈریا وہاں سے گزرا تو اس نے پوچھا قبل آپ کیوں کھڑے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کشتی کا انتظار ہے۔ گڈریے نے عرض کیا حضور بسم اللہ پڑھیے اور پار چلے جائیے۔ میں نے آپ سے یہ مسئلہ سنا ہے اور اسی پر عمل کرتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا اگر ایسا ہے تو میں بھی بسم اللہ پڑھ کر دریا میں پاؤں رکھتا ہوں۔ لیکن احتیاطاً میرے پاؤں کے ساتھ رسی باندھ دو تاکہ اگر بسم اللہ نے اپنا کام دکھایا تو ٹھیک درندہ کی کھچ کر مجھے ڈوبنے سے بچا لیتا۔

اس طرح کا ذمیلہ یقین ہو تو بسم اللہ کے ذریعے کبھی پار نہیں چڑھا جاسکتا۔ مولفانے

کرامِ عظیم الرضوان نے یقین کے ثمن درجہ بیان فرمائے ہیں۔ علم الیقین، یقین الیقین اور حق الیقین۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے سن رکھا ہو کہ آگ جلا رہی ہے، یہ علم الیقین ہے۔ اگر کسی نے کسی دوسرے کو آگ میں جلتے دیکھا ہو تو یہ یقین الیقین ہے اور اگر کسی نے خود آگ میں جہل کر دیکھا ہو تو یہ حق الیقین ہے۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری قدس سرہ فرماتے ہیں: علم الیقین علماء کا درجہ ہے جو احکام و ادا امر پر استقامت رکھتے ہیں اور یقین الیقین عارفوں کا مقام ہے جو موت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور حق الیقین محبوبانِ خدا کے ذکا کا مقام ہے جو تمام موجودات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ علم الیقین مجاہدے سے ہوتا ہے، یقین الیقین انس و محبت سے اور حق الیقین مشاہدے سے۔ پہلا عام ہے دوسرا خاص تیسرا خاص الخالص، واللہ اعلم (کشف المحجوب صفحہ ۴۳۱)۔

ہم نے تقریباً کیا ہے کہ صوفیائے کرام عظیم الرضوان کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے، صوفیاء اور فقراء کی صحبت میں بیٹھنے اور صوفیاء کے مکتوبات کا مطالعہ کرنے اور ان کی ہجی نکایات سننے سے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ بزرگوں کے مکتوبات زمین میں اللہ تعالیٰ کے لکھ رہے جن کے ذریعے نفس اور شیطان کے خلاف فتح نصیب ہوتی ہے۔ خوب سمجھو۔

ایک مرتبہ ہم چند بھائی آہنس میں مل کر بیٹھے تھے۔ فقیر کو ان میں سے جناب محمد امین جاوید صاحب اچھی طرح یاد ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ طریقت کے جن وحیدہ مسائل سے آج کل ہمیں واسطہ پڑ گیا ہے، ان حالات میں ہمیں نہایت گہرے صحابہ کرام عظیم الرضوان کے حالات اور فرمودات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ خصوصاً سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے ارشادات سے راہنمائی لینی چاہیے۔

حضرت ابو بکر واسطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اس امت میں سب سے پہلے ابو بکر ؓ کی زبان پر اشارۂ صوفیاء کی بات ظاہر ہوئی جس سے اہل فہم نے ایسے لطائف نکالے، جن میں عقل مندوں کو بھی دسو سے آنے لگے۔ حضرت شیخ ابو نصر سراج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: واسطی نے اپنے اس قول میں کہ صوفیائے بات سب سے پہلے ابو بکر صدیق ؓ کی زبان پر ظاہر ہوئی، اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب ابو بکر صدیق ؓ نے اپنی تمام احکام اللہ کی راہ میں

نکال دیں اور نبی ﷺ نے انہیں فرمایا: تو اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آیا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا: اللہ اور اللہ کا رسول چھوڑ کر آیا ہوں۔ ابو بکر نے پہلے اللہ کا ذکر کیا اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر بعد میں کیا۔ حقائق تفرید میں اہل توحید کے لیے یہ اپنی توحید کا بہت بڑا اشارہ ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس کے علاوہ دیگر اشارات بھی ہیں جن سے مزید لطائف نکالے جاتے ہیں، اہل حقائق کو ان لطائف کا علم ہے اور ان پر گھر بنے اور اچانے کے لیے وہ انہیں خوب سمجھتے ہیں (کتاب الطبع صفحہ ۱۹۳)۔

فقیر راقم الحروف نے حسبہ توفیق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے احوال کا مطالعہ کیا ان کے حالات اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انکی عارفانہ گفتگو اور راز و نیاز کی باتیں کافی حد تک مطالعہ میں آئیں۔ ان باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے محبوب کریم راف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خصوصی دعا روایت فرمائی ہے جو ہماری بیان کردہ یقین کی تمام جہات میں کامیابی کی نگلی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ایہا الناس، ان الناس لم يعطوا فی الدنيا خیر من البقین والمعافاة فسلوہما اللہ عز وجل

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! دنیا میں اللہ تعالیٰ نے یقین اور عفو سے بڑھ کر کسی کو کوئی دولت عطا نہیں فرمائی۔ اللہ عز وجل سے یقین اور عفو مانگا کرو (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۱)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: سلوا اللہ العفو والعافیة والیقین فی الآخرہ و الاولیٰ یعنی اللہ سے دنیا اور آخرت میں عفو اور یقین کا سوال کرو (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ الا انہ لم یقسم بین الناس شیئ افضل من المعافاة بعد البقین یعنی خبردار! لوگوں میں عفو اور یقین سے افضل کوئی چیز تقسیم نہیں کی گئی (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۲)۔

ان سب احادیث کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے۔ لہذا ہمیں دعا مانگتے وقت یہ عرض کرنا چاہیے۔

اللہم انی استلک العفو والیقین

اے اللہ میں تجھ سے غمناور نہیں کا سوال کرتا ہوں۔

دوسرا باب

اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے

أَنَا عِنْدَ الْمُتَكْسِرَةِ لِقُلُوبِهِمْ

حدیثِ قدسی ہے کہ: اَنَا عِنْدَ الْمُتَكْسِرَةِ لِقُلُوبِهِمْ میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں۔ اُم المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، انہی دنوں میں ابو طالب بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس سال کا نام غم کا سال (عام الحزن) رکھا گیا۔ کفار نے پریشان کرنے میں اکتفا کر دی۔ طائف میں جا کر طعنے فرمائی تو لوگوں نے پتھر مارے۔ دل ٹوٹ گیا تو معراج نصیب ہوئی۔ دل بہانے کے لئے آسمانوں کی سیر کرائی گئی، جنت کی بہاریں دکھائی گئیں، استقبال کے اہتمام کئے گئے، عرش کے پار دیدار الہی کا شرف بخشا گیا، غلو حسی الہی عبدہ مالو حسی کے مارا و نیاز ہوئے۔ ہم اشرفک یا محمد ﷺ فرما کر متاگی فرمائش پوری کی گئی۔ دل کا ٹوٹنا ان ساری کرم لوازیوں کا سبب بنا۔

حدیث میں ہے کہ اَتَى دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَاتَهَ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ یعنی مظلوم کی آواز سے ڈر، مظلوم کی آواز اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ بھوک پیاس بیماری اور غربت بھی دل توڑ دیتی ہیں اور اللہ کے قرب کا سبب بنتی ہیں۔

یہ کلمہ ہمیں بکھڑا جائے تو ہم سہولتوں سے مذموں میں اور دکھوں کو گلے لگانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مرادیں مانگنا چھوڑ دیں اور نامرادی کے لیے تیار ہو جائیں۔ حضرت شاہ عبداللطیف بہائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نامرادی ہے نہ جمرے مکی ہیں اللہ  
چنور بانی راہ پر مراد ان کھنیں غلی کید

اگر انسان نامراد کی لیے تیار ہو جائے تو اللہ سامنے ہے۔ صاف خدا کی راستہ ہے جسے ہم نے مرادوں کی وجہ سے چھپا دیا ہے۔

پیدا اگر ہم پر فاش ہو جائے تو پھر ہم جینے کی خواہش ترک کر دیں اور ہمارے کو تیار ہو جائیں۔ حضرت یہاں محمد بخش علیہ السلام فرماتے ہیں:

جن جن ہر کوئی کھینچے توں ہارن کھینچ فقیرا

جن داخل کوڑی ہو خدا ہارن داخل ہیرا

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کا دن ہوگا، اللہ پاک جل شانہ ایک بندے سے فرمائے گا کہ میں بیمار تھا تو مجھے پوچھنے نہیں گیا۔ بندہ کہے گا یا اللہ تو بیمار ہونے سے پاک ہے میں تجھے پوچھنے کیسے جانتا؟ اللہ فرمائے گا میرے ملاں بندہ بیمار تھا اگر تو اسے پوچھنے چلا جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ بندہ اسی طرح کہے گا کہ اے اللہ تو کھانا کھانے سے پاک ہے میں تجھے کھانا کیا کھلاتا۔ اللہ پاک فرمائے گا کہ میرے ملاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو اس کو کھانا کھلا دیتا تو اس کا اجر مجھ سے پا لیتا۔ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تم نے مجھے پانی نہیں دیا تھا۔ بندہ عرض کرے گا باری تعالیٰ تو رب العالمین ہے میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ فرمائے گا میرے ملاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تم نے اسے پانی نہیں دیا تھا۔ اگر تم اسے پانی پلا دیجے تو آج اس کا اجر مجھ سے پالیتے۔

مطلب یہ ہے کہ بھوکے کو جب بھوک لگی ہوتی ہے۔ اور پیٹ خالی ہوتا ہے تو اس وقت بھی بندہ اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ اس بھوک کو معمولی چیز نہ سمجھنا چاہیے۔ بھوک اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ اسلام غربت سے شروع ہوا، غربت میں ہی رہے گا اور غربتوں کو مبارک ہو۔ بندہ الاسلام غریبا و سبعا و غریبا لفظوں ہی للغریبا۔

اس لیے کہ غریب ہی بھوکا ہوا کرتا ہے، غریب کا دل ہی زیادہ سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہوتا ہے۔ غریب ہی بچا سارہا کرتا ہے، غریب ہی میلا کھیل رہا کرتا ہے اور غریب جو میلا کھیلتا اور بھوکا

جیسا رہتا ہے تو بھوک اور پیاس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہوتا ہے۔ رہے ہوئے بندے اکثر اللہ سے غافل ہو جایا کرتے ہیں، اس لیے کہ رہے ہوئے بندے کا دل نہیں ٹوٹا کرتا۔

صوفیاء کا ایک قول ہے: الجوع طعام اللہ بھوک اللہ کی طرف سے کھانا ہے۔ ایک ماتھے والا گلی میں جا رہا تھا، کہہ رہا تھا۔ خدا کے بندو خدا کی قسم میں تمیں دن سے بھوکا ہوں، خدا کے لیے مجھے کچھ کھلاؤ۔ اللہ کے ایک دلی نے یہ آواز سنی تو فرمایا: تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ پر یہتان باندھتا ہے تو تمیں دن سے بھوکا نہیں ہے۔ اس نے کہا کیسے؟ اس اللہ کے دلی نے فرمایا بھوک اللہ کا عقد ہے، اللہ کا کھانا ہے۔ اگر تو واقعی بھوکا ہوتا تو تجھے خداوند قدوس کے کھانے کی قدر ہوتی اور یہ شکایت اپنی زبان پر نہ لگتی۔

اللہ پاک کو جس بندے سے محبت ہوتی ہے جب بندہ اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ پاک جل شانہ اسکو بعض ایامات پریشانی میں یا کسی نہ کسی مشکل میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سفین ابلی راؤ کو میں حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ان العبد اذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغه بعسله الحديث اللہ تعالیٰ جل شانہ جب کسی بندے کے لیے ایک منزل مقرر کر دیتا ہے کہ میں نے اس کو فلاں درجے پر پہنچانا ہے، اس بندے کو ٹھم ہوتا ہے کہ یہ ذکر کر، یہ عمل کر تجھے یہ درجہ مل جائے گا وہ بندہ اس ذکر فکر کے ذریعے سے اس منزل پر نہیں پہنچ پاتا۔ اللہ تعالیٰ اسکو امتحان میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ امتحان مانی ہوتا ہے یا جسمانی ہوتا ہے یا اولاد کا ہوتا ہے۔ پھر اس کو اللہ پاک اپنے پاس سے صبر کی توفیق دیتا ہے۔ حتیٰ يبلغه المنزلة التي سبقت له حتیٰ کہ اللہ پاک اس بندے کو اس منزل تک پہنچا کر چھوڑتا ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر رکھی ہوتی ہے۔ تو یہ امتحانات اور مشکلات منازل ملے کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس وقت قیامت کے دن دیکھوں گا اللہ کریم اجرو دے گا تو سبھی لوگ وہ اجر وہ خیرات وہ نعمتیں چٹی ہوئی جب دیکھیں گے تو اس وقت وہ کہیں گے کہ لو کالت اجسادنا فرحت بالمعان بعض کاش دنیا میں ہمارے جسم فحشی کے ساتھ کترے گئے

ہوتے تاکہ آج ہمیں بھی اجر ملے۔ آج جو شخص خود پیار ہے، جسکی بیوی پیار ہے، جسکی اولاد پیار ہے، جس کی ماں پیار ہے اور وہ خدمت کرنے پر لگا ہوا ہے یا اس کو خود کسی قسم کا دکھ ہے، وہ دراصل نگہی کے گھونٹ بھر رہا ہے۔ قیامت کے دن اس کو کھجوا جائے گی کہ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت تھی۔

صحیح حدیث ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ یا سبحن المؤمن وجنتہ الکاظمہ دنیا مومن کا ذخیرہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ جو دنیا میں قید کی طرح رہ رہا ہے، دکھوں میں وقت گزار رہا ہے اسے مہارک ہو۔ اور جو چاہتا ہے کہ میں دنیا میں پیش و عشرت کروں، رنج کھاؤں اور میرے جیسا دنیا میں اور کوئی نہ ہو، وہ بندہ دھوکے میں ہے، وہ اللہ پاک جل شانہ سے دوستی نہیں مانگ رہا۔ عین ممکن ہے کہ اس کا یہ رزق، یہ دولت، یہ آسائشیں، یہ سہولتیں اس کو اللہ پاک سے غافل کر دیں۔

ہمارے مرشد کریم حضرت قبلہ مشوری والے سامیں قدس سرہ لے ساری زندگی اپنی ذاتی گاڑی نہیں خریدی، بیسٹرن مین پر بیٹھے اور درحقیق غالب رہا۔ اپنے دونوں شہزادوں حضرت میاں سامیں اور حضرت سامیں، نالے مطا علیہما الرحمۃ والرضوان کی ایسی تربیت فرمائی کہ انکسار کے پیکر تھے اور قصص نام سے نطرت تھی، حضرت میاں سامیں قدس سرہ مسجد شریف کے باہر دیوار کے ساتھ اس طرح بیٹھے رہتے تھے کہ تا واقعہ آدمی دیکھ کر یوں سمجھتا تھا جیسے کوئی مرید مرشد خانے پر آیا ہے۔

حضرت قبلہ سامیں نالے مطا قدس سرہ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سرگودھا کے ایک احسان نای فقیر نے اپنے ہاتھ کا بنا ہوا تاج شریف پیش کیا۔ آپ نے نگاہ تاج شریف کی، بہانے ڈرا کھلا تاج پہنہ فرمایا۔ سر مہارک پر لیکن کفر فرمانے لگے: دھونے سے پورا ہو جائے گا۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس جدید اور ماڈرن دور میں ایسے فراخ دست صاحبزادے تاج شریف کو دھو دھو کر پہنتے ہوں گے۔

ہمارے مرشد اعلیٰ حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک مرید تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگا حضور ایک مسئلہ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ فرمایا کیا ہے اس نے عرض کیا حضور ہم دعا میں کرتے

رہے ہیں مگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ آپ جیسے ہی ہاتھ اٹھاتے ہیں، دعا قبول ہو جاتی ہے۔ یہ فرق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: زبان سیجھاؤں یا پر پکھیکل کراؤں۔ اس نے کہا پر پکھیکل کرا دیں۔ آپ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اسے اٹھاؤ اور پانی میں پھینک دو۔ اس کو تالاب میں ڈال دیا گیا۔ آپ نے پانی کو حکم دیا کہ اس کو غوطے دو۔ پانی نے اسے اوپر نیچے غوطے دے کر شروع کر دیے۔ اس نے کہا امام صاحب خدا کے لیے مجھے بچا لیں۔ آپ نے کچھ نہیں فرمایا خاموش رہے۔ بالآخر اس نے کہنا شروع کر دیا یا اللہ اب تو ہی مجھے بچا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اب اسے پکڑ کر باہر نکالو۔ کچھ بندے آگے بڑھے اسے پکڑ کر باہر کھو دیا۔ آپ ﷺ نے اس بندے سے پوچھا تاویہ تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ کہنے لگا حضور پہلے تو میں آپ کو بلاتا رہا، پھر جب بے بس ہو گیا اور قتل ہو گئی کہ اب موت کے سوا کوئی چارہ نہیں تو اس وقت میرا ذہن ایک وحدہ لا شریک کی طرف لگ گیا اور مجھے اپنے قلب کے اعداد ایک سوراخ نظر آیا جس کے اعداد ایک روشنی محسوس ہوئی اور میں نے اس روشنی میں کہا اے اللہ اب تو ہی میری مدد کر سکتا ہے۔ جیسے ہی میں نے اللہ سے عرض کیا تو آپ نے اپنے مریدوں سے کہہ دیا کہ اسے باہر نکالو۔ آپ نے فرمایا وہ جو موت کا منظر تمہیں اس وقت نظر آ رہا تھا وہ منظر ہم پر ہمیشہ طاری رہتا ہے۔ اس لیے ہماری ہر دعا قبول ہو جایا کرتی ہے۔

فقیر سے ایک دوست نے پوچھا مراقبہ کیسے کھلتا ہے۔ فقیر نے فرمایا اگر وہ بڑے متدوالے کتے تمہارے پیچھے لگا دیے جائیں تو فوراً مراقبہ کھل جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ مراقبہ کھولنے کے لیے فکر کا قائم ہونا ضروری ہے۔

اللہ والے اللہ کی بارگاہ میں ہر وقت حاضر رہتے ہیں، اور اس طرح حاضر رہتے ہیں کہ بس اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے۔ ایسی حالت میں مانگی ہوئی دعا میں تو کیا ایسی حالت میں آنے والا خیال بھی اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتا ہے۔ یہ حاضری اللہ کریم جل شانہ اپنے فضل سے ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

حضرت سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کا واقعہ



حضرت سیدنا کعب بن مالک ؓ فروداً جنوک میں شریک نہ ہوئے۔ جب حضور کریم ؐ فرودہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت کعب بن مالک ؓ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ؐ خود اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

جب میں نے سلام عرض کیا تو آپ ؐ سکرائے جیسے کوئی ناراض آدمی سکراتا ہے، آپ نے فرمایا آؤ، میں آکر آپ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا تمہارے خاں کی کیا وجہ تھی؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا اگر میں آپ کے علاوہ کسی دنیا دار کے پاس بیٹھا ہوتا تو مجھے معلوم ہے کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا، کیونکہ مجھے کھام پر قدرت عطا کی گئی ہے، لیکن یہ خدا مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے آج آپ سے کوئی جھوٹی بات کہہ دی تھی کہ آپ اس سے راضی ہو بھی گئے، تو معتریب اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اور اگر میں آپ سے سچی بات کہوں تو آپ مجھ سے ناراض ہوں گے اور بے شک مجھ کو حج میں اللہ تعالیٰ سے حسن عاقبت کی امید ہے، یہ خدا میرا کوئی عذر نہیں تھا، اور جس وقت میں آپ کے پیچھے رہ گیا تھا تو مجھ سے زیادہ غرض حال کوئی نہیں تھا، رسول اللہ ؐ نے فرمایا بہر حال اس شخص نے حج بولا ہے، تم یہاں سے اٹھ جاؤ، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے، میں وہاں سے اٹھا اور جو سولہ کے لوگ بھی اٹھ کر میرے پاس آئے، انہوں نے مجھ سے کہا یہ خدا ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے پہلے تم نے کوئی کناہ کیا ہوں کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تم رسول اللہ ؐ کے سامنے اس قسم کا کوئی عذر پیش کرتے جس طرح دیگر نہ جانے والوں نے عذر پیش کیے تھے، تمہارے کناہ کے لیے رسول اللہ ؐ کا تمہارے لیے استغفار کرنا کافی تھا، یہ خدا وہ مجھ کو مسلسل غلامت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں رسول اللہ ؐ کے پاس دو بارہ جاؤں اور اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دوں، مگر میں نے ان سے پوچھا کیا کسی اور کو بھی میرے جیسا معاملہ پیش آیا ہے، انہوں نے کہا دو اور شخصوں نے بھی تمہاری طرح کہا ہے ان سے بھی حضور نے وہی فرمایا ہے جو تم سے فرمایا تھا، میں نے پوچھا وہ کون ہیں، انہوں نے کہا وہ مراد بن ربیعہ، عامر بن ابی ہلال، بن امیہ داغی ہیں، انہوں نے مجھ سے ان دو نیک شخصوں کا ذکر کیا جو فروداً

بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ میرے لیے نمونہ تھے، جب ان لوگوں نے ان دو صاحبوں کا ذکر کیا تو  
 میں اپنے پہلے خیال پر قائم رہا اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تنہوں سے گفتگو کرنے سے منع  
 فرمایا۔ جو آپ سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر مسلمانوں نے ہم سے اجتناب کر لیا اور ہمارے لیے  
 اجنبی ہو گئے، حتیٰ کہ زمین بھی میرے لیے اجنبی ہو گئی۔ یہ وہ زمین نہیں تھی جس کو میں پہلے بچکانا  
 تھا، ہم لوگوں کو اسی حال پر پچاس راتیں گزر گئیں، میرے دو ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے تھے، وہ  
 اپنے کمروں میں ہی پڑے سو رہے تھے، لیکن ان کی پہنہت میں جہان اور طاقتور تھا، میں  
 باہر نکلتا تھا نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا، مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا  
 تھا، میں رسول اللہ کی خدمت میں آتا، اور نماز کے بعد جب آپ اپنی نشست پر بیٹھتے تو میں آپ  
 کو سلام عرض کرتا، میں اپنے دل میں سوچتا کہ آیا حضور نے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے  
 ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا اور نظریں اٹھا کر آپ کو دیکھتا سو  
 جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ  
 ہوتا تو مجھ سے اعراض کرتے، حتیٰ کہ جب مسلمانوں کی بے درخی زیادہ بڑھ گئی تو میں ایک روز اپنے  
 بچکانہ حضرت ابولہادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا، وہ مجھ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب  
 تھے، میں نے ان کو سلام کیا، یہ خدا انہوں نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، میں نے ان سے  
 کہنا اے ابولہادہ! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے  
 محبت کرتا ہوں، وہ خاموش رہے، میں نے دوبارہ ان کو قسم دے کر سوال کیا، وہ پھر خاموش رہے،  
 میں نے پھر ان کو قسم دی تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے، میری آنکھوں  
 سے آنسو جاری ہو گئے، میں نے دیوار پھاڑ دی اور اب اس آگیا، ایک دن میں مدینہ کے بازار میں  
 جا رہا تھا تو اہل شام کا ایک شخص مدینہ میں غلط بیچنے کے لیے آیا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی ہے جو مجھے  
 کعب بن مالک سے ملادے، لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، وہ میرے پاس آیا اور اس نے  
 مجھے حسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں چونکہ پڑھا لکھا تھا، اس لیے میں نے اس کو پڑھا اس  
 میں لکھا تھا: ”میں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر غم کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو

دلت اور رسوائی کی جگہ پر رہنے کے لیے پیدا نہیں کیا، تم ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہاری دلجوئی کریں گے۔" میں نے جب یہ خط پڑھا تو میں نے کہا یہ بھی میرے لیے ایک آزمائش ہے، میں نے اس خط کو خود میں پیچیک کر جلا دیا، حتیٰ کہ جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے، اور وحی کی رہی تو ایک دن رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد میرے پاس آیا، اس نے کہا رسول اللہ ﷺ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے طہرہ ہو جاؤ، میں نے پوچھا آیا میں اس کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس نے کہا نہیں بلکہ تم اس سے طہرہ ہو جاؤ، اور اس کے قریب نہ جاؤ، حضرت کعب نے کہا رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھیوں کو بھی یہی حکم بھیجا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے، حضرت کعب نے کہا پھر حضرت بلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا یا رسول اللہ! بے شک حضرت بلال بن امیہ بہت بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں ہے کیا آپ اس کو تہہ بند کرتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں، آپ نے فرمایا نہیں، لیکن وہ تم سے مفارقت نہ کرے، ان کی بیوی نے کہا یہ خدا وہ تو کسی چیز کی طرف حرکت بھی نہیں کر سکتے، اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے یہ خدا وہ اس دن سے مسلسل روتے رہتے ہیں، مجھ سے میرے بعض گھروالوں نے کہا تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح اجازت لے لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے، میں نے کہا میں اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں لوں گا، مجھے پتا نہیں کہ اگر میں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ اس معاملہ میں کیا فرمائیں گے۔ اور میں ایک جھوٹا شخص ہوں، پھر میں اسی حال پر دس راتیں ٹھہرا رہا، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے ہم سے گفتگو کی ممانعت کی تھی اس کو پچاس دن گزر چکے تھے، حضرت کعب کہتے ہیں کہ پچاس روز کے بعد ایک صبح کو میں اپنے گھر کی چست پر صبح کی نماز پڑھ رہا تھا، پھر جس وقت میں اسی حال میں بیٹھا ہوا تھا، جس کا اللہ عزوجل نے ہمارے متعلق ذکر کیا ہے: کہ مجھ پر میرا نفس ٹپک ہو گیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر ٹپک ہو گئی، اچانک میں نے سلع پہاڑ کی چوٹی سے ایک چلانے والے کی آواز سنی، جو بھلا آواز سے کہہ رہا تھا،

اے کعب بن مالک! بشارت ہو میں نے جان لیا کہ آپ کثافت کی ہو گئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد لوگوں میں اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے، پھر لوگ آ کر ہم کو مبارکباد دیتے تھے، پھر میرے ان دو ساتھیوں کی طرف لوگ مبارکباد دینے کے لیے گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف روانہ ہوا، اور قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے مجھے ندا کی، اور اس کی آواز گھوڑے سوار کے پیچھے سے پہلے مجھ تک پہنچی، جب میرے پاس وہ شخص آیا، جس کی بشارت کی آواز میں نے سنی تھی، میں نے اپنے کپڑے باہر کر اس شخص کو بشارت کی خوشی میں پہنا دیے، یہ تھا اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی اور میں نے کسی سے کپڑے نہ کر پئے، پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوا، ادھر میری توبہ قبول ہونے پر فوج و فوج لوگ مجھ کو مبارکباد دینے کے لیے آ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا مبارک ہو، جب میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، اور آپ کے ارد گرد صحابہ بیٹھے تھے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ جلدی سے اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، یہ خدا مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں اٹھا تھا، حضرت کعب طلحہ کو نہیں بھولتے تھے، حضرت کعب نے کہا جب میں نے رسول اللہ کو سلام کیا تو خوشی سے آپ کا چہرہ چمک رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے مبارک ہو، جب سے تم کو تمہاری ماں نے جنا ہے، اس سے زیادہ اچھا دن تمہارے لیے نہیں آیا میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ (قولیست توبہ) آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جب رسول اللہ ﷺ عرض ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ اس طرح منور ہو جاتا تھا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو، حضرت کعب نے کہا ہم اس عطامت کو پہچانتے تھے، انہوں نے کہا جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنی توبہ کی خوشی میں اپنے مال کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے لیے کچھ مال کو رکھ لو وہ تمہارے لیے بہتر ہے، میں نے کہا میں اپنے اس مال کو رکھ لیتا ہوں جو غنیمت میں ہے اور میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے صدقہ کی وجہ

سے نجات دی ہے اور اب میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنی باقی زندگی میں ہمیشہ سچ بولوں گا، انہوں نے کہا بے خدا مجھے یہ معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس طرح سزا میں مبتلا کیا ہو اور جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تھا اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا، اور آنسو کے لیے بھی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جھوٹ سے بچا کر رکھے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ کی یہ آیتیں نازل کیں:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ الذِّلِّ (توبہ ۷۷-۱۱۸)۔

اس حدیث و پاک پر غور کیجیے۔ جن لوگوں نے عذر اور بہانہ پیش کیا اور ان کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا اور استغفار فرمایا، انہیں سزا کیوں نہ ملی؟ اور جنہوں نے سچ بولا انہیں سزا کیوں ملی؟ کیا سچ بولنے پر سزا ملنی چاہیے تھی؟ کیا حضرت کعب اور ان کے دو ساتھیوں رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو کچھ ہوا یہ واقعی کوئی سزا تھی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ عذر پیش کرنے والوں کے لیے استغفار کیا گیا تو ان کی صرف مغفرت ہو گئی ہو مگر سیدھی بات کرنے والوں کی آہیں ٹکھوا ٹکھوا کر انہیں سلوک کی سنازل ملے کرانی گئی ہوں۔

ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ سچ بولنے کی سزا نہیں تھی بلکہ اللہ کریم کا خاص انعام تھا۔ محبوب کی ناراضگی، بھائیوں کا بائی کاٹ، بیوی سے طے لگنا، بستر پر گوشہ نشینی، ذہنی کوفت، فیروں کی طرف سے پیش کش، ان ساری باتوں پر ثابت قدمی اور محبوب کا در چھوڑ کر کہیں نہ جانا، وہ آہیں جو عرش کے پار گئیں۔ یہ سب باتیں اس کی سمجھ میں آ سکتی ہیں جدا ہوں اور سسکیوں کا قدر شناس ہو۔

آں جا کہ ز اہداں بہرِ زار اور ہمیں رسد  
مستو شرابِ عشق، یک آہی رسد

وطن چھوڑنا پڑ سکتا ہے

بے شمار انبیاء علیہم السلام نے اپنے وطن چھوڑے۔ محبوب کریم ﷺ نے مکہ شریف سے عظیم البرکت شہر چھوڑا، بے شمار صحابہ و صحابیات داخل بیت الطہار علیہم السلام نے ہجرت فرمائی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ جو کوئی جس چیز کو اللہ کی خاطر قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اسے احسن طریقے سے واپس کر دیتا ہے۔ جو مال قربان کر کے آتا ہے اسے مال مل جاتی ہے۔ جو مرغی قربان کر کے آتا ہے اسے مرغی مل جاتی ہے۔ جو بیوی قربان کر کے آتا ہے اسے بیوی مل جاتی ہے اور جو تختہ و تاج قربان کر کے آتا ہے اسے بادشاہی مل جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ اور دیگر مہاجرین کو بھی اپنا قربان کیا ہوا وطن واپس دیا گیا، لیکن

حدیثوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ شریف میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ اللہ کی بارگاہ میں اس قدر جھک رہے تھے کہ آپ کا سر مبارک اونٹنی کے پاؤں کی آگلی لکڑی کے ساتھ لگ رہا تھا۔

## پک جانا پڑتا ہے

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو چھوٹی سی عمر میں ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا، کسی نے وہاں سے نکال کر مصر کے بازار میں بیچ دیا، ماں باپ سے دور پردیس میں غمزدار گزارنا پڑا، بہت بڑی الزام تراشی کا سامنا کرنا پڑا، بے گناہ جیل میں رہنا پڑا۔ تب جا کر تختہ شامی نصیب ہوا۔ یہ سارا غمزدار مروج کا تھا۔ اس کے بعد واپس اپنے ماں باپ کے پاس جانے کے حساب بنے اور جہاں سے ابتداء ہوئی تھی وہیں پرانتھا ہوئی۔

## اللہ والے بدلہ نہیں لیتے

حضرت یوسف علیہ السلام جب اپنے بھائیوں سے ملے تو ان سے بدلہ نہیں لیا۔ بلکہ فرمایا لا تشریب علیکم الیوم یعنی آج تم پر کچھ ملامت نہیں (یوسف: ۹۲)۔ جب مکہ شریف زادہ اعلیٰ شرفاً فتح ہوا تو محبوب کریم ﷺ نے بھی کدو والوں سے فرمایا: کہ میں بھی وہی یوسف والی بات کہتا ہوں جو انہوں نے اپنے بھائیوں سے فرمائی تھی: لا تشریب علیکم الیوم۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تعریف فرما رہے

اور ایک بیہوشی آپ ﷺ کو گالیاں دے رہا ہے۔ وہ گالی دیتا ہے آپ چپ ہیں۔ وہ پھر گالی دیتا ہے آپ چپ ہیں۔ تیسری دفعہ جب اس نے گالی دی تو آپ ﷺ نے اسے معمولی سا جواب دے دیا۔ نبی کریم ﷺ پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ مسکرا رہے ہیں۔ جب کافر گالی دیتا ہے صدیق اکبر خاموش ہیں تو حضور خوش ہو رہے ہیں لیکن جب کافر نے گالی دی اور صدیق اکبر ﷺ نے معمولی سا جواب دیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر چلے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے محسوس کیا کہ شاید نبی کریم ﷺ کو میرا یہ رویہ پسند نہیں آیا۔ آپ ﷺ محبوب کریم ﷺ کے پیچھے چلے گئے۔ کاشانہ اقدس پر پہنچے۔ وہاں جا کر حضور کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ میرا اس شخص کو جواب دینا آپ کو برا لگا ہے۔ میں معافی مانگنے آیا ہوں۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا نہیں یہ کوئی ایسا بھیانک جرم نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے جب تک تم خاموش تھے تو اللہ کریم جل شانہ نے ایک فرشتے کو مقرر کر رکھا تھا۔ گالی کافر دیتا تھا، جواب وہ فرشتہ دیتا تھا۔ لیکن جب آپ نے گالی کا جواب خود دیا تو اللہ کریم جل شانہ نے فرشتے کو واپس بلا لیا لہذا میں بھی اٹھ کر آ گیا۔

اللہ والے اپنا کیس خود تک اور نہیں کرتے، اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں اور جب اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں تو اللہ جل شانہ بدل لینے کے لیے فرشتے مقرر کر دیتا ہے۔

ایک مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر میں موجود تھے۔ ایک شخص آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سخت مخالف تھا۔ اس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ امام اعظم باہر نکلے۔ اس بندے نے سلام دعا کے بعد کہا کہ امام صاحب میں آپ کے پاس شریعت کے مطابق ایک مسئلہ لے کر آیا ہوں، میری بات شریعت کے خلاف نہیں ہوگی۔ کہنے لگا میں اپنے لیے آپ کی ماں کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔ امام اعظم کی والدہ ائمہ موجود تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے تمہاری بات شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن میری ماں عاقلہ بالغہ ہے۔ وہ اپنے بارے میں جو خود فیصلہ کرے گی میں اس کے مطابق تمہیں آ کر جواب دوں گا، مجھے ائمہ جا کر اپنی والدہ سے پوچھ لینے دو۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت مہربان و نرم خوئی سے کام لیتے ہوئے ائمہ چلے گئے۔ اپنی والدہ سے پوچھا۔ والدہ سے جواب لے کر باہر تشریف لائے تو وہ شخص دروازے کے سامنے کتے کی

طرح مرچکا تھا۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنا بولا کہ: اس ظالم کو میرے صبر نے ہلاک کر دیا۔

امام اعظم کی طرف سے اللہ کریم جل شانہ نے خود بدلہ لے لیا۔ مقصد یہ ہوا کہ اللہ والے اپنے معاملات اللہ پر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اللہ کریم جل شانہ ان کی طرف سے خود بدلہ لے لیا کرتا ہے۔

## خوف اور امید

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا یعنی اپنے رب سے دعا کرو ڈرتے ہوئے اور طمع کرتے ہوئے (اعراف: ۵۶)۔

سید المرسلین رضی اللہ عنہم نے فرمایا: لا ایمان بین الخوف والرجاء یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

سیدنا ابو بکر صدیق ؓ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کریم کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ میں نے سب لوگوں کو بخش دیا سوائے ایک آدمی کے تو خوف آتا ہے کہ کہیں وہ ایک آدمی میں ہی نہ ہوں۔ اور اگر اللہ کریم کی طرف سے اعلان ہو جائے کہ تمام لوگ گنہگار خطاب ہوئے سوائے ایک آدمی کے تو مجھے امید رہتی ہے کہ شاید وہ اکیلا آدمی میں ہوں۔

جن لوگوں پر امید، خوشی اور ترنگ کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ خوف خدا نام کی چیز سے ہی آشنا نہیں رہتے۔ ایسے لوگ سخت خطرے میں جھکا ہوتے ہیں۔

محبوب کریم ؐ نے ارشاد فرمایا: انما الاصل بالحواسم یعنی اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۷۸)۔

اولیاء اللہ خواہ کتنی ہی عبادت و ریاضت کر لیں انھیں اس بات کا خوف رہتا ہے کہ خدا جانے موت کے وقت کلمہ شہادت نصیب ہوگا کہ نہیں۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہی خوف ان کا خاتمہ بالا ایمان ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

دراصل صوفی جب کسی چیز کے لیے فکرم ہوتا ہے تو اس فکر کی وجہ سے ایک توحید قائم ہو



جاتی ہے جس سے کرم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: **يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذَّنْبَ جَمِيعًا** یعنی فرما دیجیے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے (الزمر ۵۳: ۳۹)۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک قصہ گو آدمی وعظ کر رہا تھا اور وہ لوگوں کو آگ اور طوق سنا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: **يَا مَعْزُكُم تَقْنَطُ النَّاسُ؟** پھر یہ آیت پڑھی **يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ** (بخاری جلد ۳ صفحہ ۸۳)۔

حضرت امام قشیری علیہ الرحمہ نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی خوبصورت بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

یہ عبادی کہہ کر پکارنا مدح ہے اور اللہ اللہ اسرافو کہہ کر پکارنا ذم ہے، جب فرمایا یا عبادی تو اطاعت گزاروں نے خود کو اس کا مخاطب سمجھا اور اپنے سرائخانے۔ گناہگاروں نے اپنے سر جھکا لیے اور کہنے لگے کہ ہم کون ہوتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کہہ کر پکارے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اللہ اللہ اسرافو کے مخاطب فرمائے تو صورت حال بدل گئی اور انجام کچھ اور ہی نکلا۔ جن لوگوں نے اپنی گردنیں جھکا کر تیس دہ مٹ مٹ کر اٹھے، ان کی خطائیں خطا ہو گئیں۔ جن لوگوں نے اپنے سرائخانے سے ان کی گردنیں جھک گئیں اور ان کا ان ٹوٹ گیا لہذا قال اللہ تعالیٰ اللہ اللہ اسرافو القلب الحال وقلب المال فاللہین لکسوا رؤسہم عشعشوا زلت رؤسہم ، واللہین رفعوا رؤسہم اطرقوا وارتفعت صولہم (الزبدۃ الحمدۃ صفحہ ۱۱۷-۱۱۸)۔

حضرت حاکم قاری علیہ الرحمہ نے یہ بات اپنی کتاب الزبدۃ الحمدۃ فی شرح القصیدۃ الہمدیہ میں جس شعر کی شرح میں نقل کی ہے وہ شعر یہ ہے:

بالتفس لا تقطعی من زلّة عظمت

ان الکبائر فی الغفران کاللمم

ترجمہ: اے دل، اپنے بڑے بڑے گناہوں کی وجہ سے مایوس نہ ہو، بے شک بڑے گناہ بھی بخشش کے سامنے چھوٹی خطاؤں کی طرح ہوتے ہیں۔

لعلّ تسبیح از چند مقبول است یک

آورد آلود رنداں را تو لے دیکماست

ترجمہ: تسبیح کی تسبیح کا غلطہ بلاشبہ مقبول ہے لیکن رنداں کی درد بھری آہ کی قبولیت کی شان دوسری ہے۔

آنجا کہ زاہداں ہزار را بھی رسد

مست شراب، مشق یک آہی رسد

ترجمہ: زاہد لوگ چالیس ہزار سال کی عبادت سے جس مقام تک پہنچتے ہیں، مست شراب مشق ایک آہ سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے خانوے قتل کیے تھے۔ پھر توبہ کے ارادے سے ایک راہب کے پاس گیا اور کہنے لگا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا اور سو پورے کر لیے۔ پھر اس نے لوگوں سے سب سے بڑے عالم کا پتہ چھا۔ اس سے مسئلہ دریافت کیا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں، لیکن ہے جو اللہ اور توبہ کے درمیان حائل ہو سکے؟۔ ملاں علاقے میں جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں رہتے ہیں، انکے ساتھ اللہ کی عبادت کرو اور اپنے علاقے کی طرف بھی نہ لوٹنا، وہ برائی کی زمین ہے۔ وہ شخص چل پڑا اور اسے اسے موت آگئی، رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کرنے چلا تھا، اللہ کی طرف اپنے دل کو پھیر لیا تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ انکے پاس انسانی شکل میں ایک فرشتہ آیا اور فیصلہ دیا کہ زمین کو ٹاپ لو، یہ جس زمین کے قریب ہے اسی زمین

کا سمجھا جائے۔ انہوں نے زمین کو ناپا تو وہ اللہ والوں کی زمین کے قریب تھا۔ رحمت کے فرشتے اس کی روح کو لے گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ نے برائی کی زمین کو حکم دیا کہ دور ہو جا، اور نیکی کی زمین کو حکم دیا کہ قریب ہو جا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۳، ۴۹۴، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۹)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے بھی کوئی نیکی نہیں کی تھی۔ جب مرنے لگا تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مراؤں تو مجھے جلاوینا اور میری اماں کا کچھ حصہ زمین پر بھیلادینا اور کچھ حصہ دیا میں ڈال دینا۔ اللہ کی قسم اگر میں اللہ کے قابو میں آ گیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ سارے جہانوں میں کسی کو نہ دیا ہو۔ جب وہ بندہ مر گیا تو گھر والوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ اللہ نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے اس کے اجزاء اکٹھے کر دیے اور دریا کو حکم دیا تو اس نے بھی اس کے اجزاء اکٹھے کر دیے۔ پھر اس سے پوچھا تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے عرض کیا اے میرے رب میرے غل کی وجہ سے، تو خود اچھی طرح جانتا ہے۔ اللہ نے اسے بخش دیا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۵۹، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۷)۔

ایک مرتبہ حضرت قطب الاقطاب حضرت امام غلامی صاحب مشورہ قدس سرہ الاقدس اپنے آستانہ عالیہ مشوری شریف میں کچھلے دروازے ”باب ساقی“ سے جلوہ گر ہوئے۔ ایک فقیر پاؤں پر گر پڑا اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کچھ اس انداز سے کرنے لگا کہ سب حاضرین بھی رونے لگ گئے۔ آپ نہایت تحمل سے انکی آہ و زاری سنتے رہے۔ جب اسکے آنسوؤں کا عالم کچھ تھا تو آپ نے صرف ایک بات فرمائی اور فوراً وہاں سے تشریف لے گئے۔ فرمایا: ”درست چھوڑنا“۔

اے اللہ کریم! اس عاجز مسکین، رو سیاہ اور زلیل و خوار سے ان بزرگوں کے غلیل اور گزر فرما۔ ہمیں بھی نسا زمانا، درد ہم ہر گز پورے نہ اتر سکے گے۔ ہمیں ”درد نہ چھوڑنے“ کی توفیق عطا فرما، اور احق امت کی دولت سے مالا مال فرما۔ آمین

تیسرا باب

## اصلاحِ نفس نفس کے معنی

نفس کے نفسی معنی ہیں ”ہان“۔ نفس درحقیقت کس چیز کا نام ہے؟ بعض کا خیال ہے کہ یہ جسم اور روح کے علاوہ کسی تیسری چیز کا نام ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ روح اور نفس ایک ہی چیز ہے۔ روح جب اس جسم میں داخل ہوئی تو انسانی عوارض لاحق ہونے کے بعد نفس کہلائی۔ چنانچہ قرآن شریف میں: **اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ أُولَئِهَا رُوحًا أُخْرَىٰ**۔ یا ایہا النُّفُوسُ الْمَطْمَئِنَّةُ وَالْمُحَيَّرَةُ آیات میں روح کو ہی نفس فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

## نفس کی اقسام

سیدنا غوث اعظم و قطب الکتاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ الاقدس نے اپنی کتاب ”سر الاسرار“ میں نفس کی آٹھ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے صرف تین مولیٰ مولیٰ اقسام معراجہ میں ہیں۔ انہی تین اقسام کو اکثر بزرگوں نے بیان فرمایا ہے:

(۱)۔ نفسِ امارہ (۲)۔ نفسِ لوامسارہ (۳)۔ نفسِ مطہرہ۔

(۱)۔ نفسِ امارہ

یہ نفس کی وہ حالت ہے جس میں نفس ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور اس کا مطیع انسان

معاشرے کا تصور ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ان النفس الامارة بالسوء (یوسف ۱۲: ۵۳) ”پلاشبہ نفس برائی کا بہت زیادہ حکم دیتا ہے“۔ اس آیت میں ان، لام اور امراء (بروزن فقار) کے ذریعے تین تا کلمات موجود ہیں۔ اس سے فخر نفس کی اہمیت خوب واضح ہو رہی ہے۔ انسان پر اس کا نفس ممکن طرح سے حملہ آور ہوتا ہے۔

۱۔ مخالفانہ حملہ:- اس کا مخالفانہ حملہ یہ ہے کہ انسان کو نیکی سے روکتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ سے روکتا، ناشی اور بے حیائی پر آمادہ کرنا وغیرہ۔ نفس کا یہ حملہ آسانی سے ہر کسی کو سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۲۔ موافقانہ حملہ:- اس کا موافقانہ حملہ یہ ہے کہ انسان کو نیکی سے صاف صاف نہیں روکتا بلکہ نیکی کے ہمراہ انسان کی حیرت میں خور ڈال دیتا ہے۔ اور اس نیکی کو اٹکا کٹاہ میں جبریل کر دیتا ہے۔ مثلاً عباد کے دل میں بہادر کہلانے کا جذبہ، عالم کے دل میں حضرت علامہؒ کہنے کا دلول، اور نیکی کے دل میں حاتم طائیؒ کہلانے کا شوق پیدا کر دیتا ہے۔ نماز پڑھا کر نگہ کرنا ہے۔ اور صبح پکڑا کر ریا کاری پیدا کرتا ہے۔ الغرض یہ انسان کے اعمال کو بر باد کرنے کا کوئی موقع خالی نہیں جانتے دیتا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بلا کر اس سے پوچھے گا تو نے دنیا میں کیا عمل کیے۔ وہ کہے گا میں نے میری راہ میں مال خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا تو نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے سنی کہیں، لوگوں نے تجھے سنی کہا، تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا، پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ دوسرے شخص سے پوچھے گا تو نے کیا عمل کیا، وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور سکھایا۔ اللہ فرمائے گا تو نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے عالم کہیں، لوگوں نے تجھے عالم کہا، تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا۔ پھر اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرے شخص سے پوچھے گا تو نے کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا میں نے میری راہ میں اپنی جان قربان کر دی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ اس لیے کیا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں۔ لوگوں نے تجھے بہادر کہا۔ تو نے جو چاہا وہ تجھے مل چکا۔ پھر اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا“ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۰)۔

آپ نے دیکھا کتنے عظیم کارناموں کو نفس کے غلغلے نے عذابِ جہنم بنا کر رکھ دیا۔  
نفس کی ہار یک شہادتوں کا علاج سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے سیکھیے۔ آپ ﷺ کا فر  
کے سینے پر سوار تھے۔ کس نے آپ کے چہرہ انور پر تھوک دیا۔ آپ ﷺ نے اسے فوراً چھوڑ  
دیا۔ اس لیے کتاب درمیان میں نفس اور اجابات آنکلی تھی (مرقاۃ جلد ۷ صفحہ ۵۱)۔

نفس کے اس حملے کی اہمیت کے پیش نظر ہم چند مزید مثالوں سے اسے سمجھانے کی  
کوشش کرتے ہیں۔

(۱) ”حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو جب زمین پر اتارا گیا تو کچھ ہرن آپ کی زیارت  
کے لیے گئے۔ آپ علیہ السلام نے ان کی پشت پر ہاتھ مبارک بھیرا اور دعا دی۔ جسکی برکت سے  
ان کی ناف میں کستوری پیدا ہو گئی۔ جب ہرن واپس اپنے جنگل میں گئے تو وہاں دوسرے ہرنوں  
نے اس خوشبو کا سبب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ خوشبو میں حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت  
سے نصیب ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ تمام ہرن بھی اسی شوق میں حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں  
حاضر ہوئے۔ اور ان سے ہاتھ پھرایا اور دعا لی۔ مگر ان کی ناف میں کستوری پیدا نہ ہوئی۔ انہوں  
نے اپنے ہرن بھائیوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کستوری کیوں ملی اور میں کیوں نہ ملی؟ انہوں نے  
جواب دیا کہ اصل تصور تمہاری نیت کا ہے۔ تم محض کستوری لینے گئے تھے، جبکہ ہم محض زیارت  
کے لیے حاضر ہوئے تھے“ (سبحان اللہ)۔

(ب) ”بنی اسرائیل کا ایک نیک شخص گھر سے آری نے کر ایک ایسے درخت کو کاٹنے کے  
لیے نکلا جس کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ راستے میں اس کی ملاقات شیطان سے ہو گئی۔ شیطان  
نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ فلاں درخت کو کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے اس کا  
راستہ روکا۔ دونوں لڑ پڑے۔ نیک آدمی نے شیطان کو بچھاڑ دیا۔ شیطان نے ہار مان لی۔  
کھڑے ہو کر اس نے ایک ٹھکانہ مشورہ دیا کہ تم اگر اس درخت کو کاٹ دو گے تو جاہل لوگ کسی  
دوسرے درخت کو پوجنا شروع کر دیں گے۔ بھڑے تم انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اس کے  
عوض میں تمہیں روزانہ دو روپے دیا کر دیں گا۔ تم انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اپنی عاقبت

سنوارتے رہنا۔ نیک آدمی کو شیطان کی بات معقول لگی۔ وہ واپس چلا گیا۔ ایک دوری تک انتظار کیا۔ شیطان نے اہتا و عہد پورا نہ کیا۔ اس پر نیک آدمی کو قصہ آیا اور وہ بارہ آدمی اکٹھا کر چل پڑا۔ راستے میں پھر شیطان سے لڑائی ہوئی۔ مگر اب کی بار شیطان نے اسے ہچھاڑ دیا۔ نیک آدمی نے بارہ مان لی۔ کھڑے ہو کر پوچھنے لگا آج تم میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی۔ اس نے کہا میری طاقت تو اسی قدر ہے مگر آج میرے اندر وہ اخلاص نہیں ہے جو اس روز تھا۔ اس روز تو خدا کی خاطر لڑا تھا۔ مگر آج دور اپنے کی خاطر لڑا ہے (احیاء العلوم صفحہ ۱۸۳)۔

(ج) اللہ کے ایک ولی نے اپنے نفس پر ایسا ظہر حاصل کیا کہ اسے کتے کی فصل میں دی وابل کراہنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک روز اسے کسی آدمی نے مشورہ دیا کہ آپ فلاں عورت سے نکاح کر لیں۔ عورت بہت خوبصورت تھی۔ اللہ کے ولی نے یکسر انکار کر دیا۔ اس آدمی نے کہا کہ نکاح سنت ہے اور آپ سنت سے بھاگ رہے ہیں؟ اللہ کے ولی نے سوچا واقعی نکاح سنت ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے فوراً بعد اسے یہ بھی خیال آیا کہ ”عورت ہے بھی خوبصورت“ جب تک وہ یہ سوچ رہا تھا کہ نکاح سنت ہے۔ دی اس کے ہاتھ میں تھی اور کتا موجود رہا۔ لیکن جیسے ہی یہ سوچا کہ ”عورت ہے بھی خوبصورت“ دی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور کتا غائب ہو گیا۔ طاعنیر و اباؤنی الا بصار

آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ انسان کے لیے سخت ضروری ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کا حاسبہ کرتا رہے۔ اور ایک لمحہ بھی اس کی جانب سے قضا علی اور قائل نہ ہو۔ اپنے نفس سے کسی دم کی امید نہ رکھے۔ نفس بیماری، پریشانی اور مصروفیت کا لحاظ نہیں کرتا۔ بلکہ ہر گھڑی ہر لمحہ اعزاز و ابالو سے ہے۔

نفس اس قدر مکار اور چال باز ہے کہ کبھی برائی کے دھپ میں آتا ہے اور کبھی نیکی کے رنگ میں۔ کبھی انسان کے دل میں تکبر پیدا کرتا ہے اور کبھی عاجزی کے لہادے میں چین تکبر کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر عاجزی کرنے والے کو یہ خیال آ جائے کہ مجھ میں بڑی عاجزی ہے تو یہ چین تکبر ہوا۔ اسے اخلاقیات کی اصطلاح میں ”تکبر“ کہتے ہیں۔ نفس کی عاجزی بھی اس کی

شرارت ہے اور اس کا تکبر بھی اس کی شرارت ہے۔ نفس کا ریا بھی اس کی مکاری ہے اور اس کا اخلاص بھی اس کی واردات ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا ضروری ہے۔ وہ اپنے نفس کا بچھا کرتے کرتے بھی عاجز معلوم ہوتے ہیں اور کبھی بظاہر تکبر نظر آتے ہیں۔ اسی وجہ سے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مرید کی عاجزی سے اس کے مرشد کا تکبر بچتا ہے اور مرید کے اخلاص سے اس کے مرشد کا ریا بچتا ہے۔ مرید کی بجاہت بھی مرید کے لیے حجاب ہے اور مرید کا علم بھی مرید کے لیے حجاب ہے۔ اس کی غفلت بھی اس کے لیے حجاب ہے اور عین ممکن ہے کہ اس کا ذکر و فکر بھی ایک وقت میں اس کے لیے حجاب بن جائے۔ ان باتوں کو اس راستے کا مسافر ہی بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

شیخ کی کوئی بات اگر بظاہر نامناسب اور کچھ سے بالاتر لگے تو مرید کو چاہیے کہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد کر لے جو قرآن شریف کی سورۃ کہف میں بیان ہوا ہے۔

اگر شیخ واقعی طور پر ملاحہ کتب اور تلیف دین سے منع کرے تو مرید کو چاہیے کہ شیخ کے حکم پر عمل کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی میں مرید کے نفس کی اصلاح ہو۔ مرشد جانتا ہے اور مرید نہیں جانتا۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ ”اپنی نیکیوں پر تکبر کرنے والے نیک آدمی سے وہ گناہ بچتا ہے جو اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو۔“

بعض لوگ اپنے شیخ اور برہمنوں کی صحبت میں بیٹھ بیٹھ کر مجموعی تعلیم پر کامل طور پر عمل پیرا ہونے کی بجائے صرف ایسے ایسے کچھ پکڑ لیتے ہیں جو ان کے نفس کی خواہش کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ انہیں اچھا لباس اور خوشبو لگانا مرشد کی سنت نظر آتا ہے۔ مگر تہہ پڑھنا اور اللہ کی راہ میں سرکا کر زمانہ نہیں کرنا مرشد کی سنت نظر نہیں آتا۔

ان کے پاس بد اخلاقی کا نام جلال ہوتا ہے، سستی اور کاہلی کا نام بے نیازی ہوتا ہے،



جہالت کا نام فقیری ہوتا ہے، ترک شریعت کا نام فانییت ہوتا ہے، نئے طالب کو ایک ہی بات بتانے کی بجائے بھانت بھانت کی بولیاں سنا کر پریشان کرنے کا نام فقراء کی صحبت اور اللہ کے اسرار کوگی کوچوں میں بیان کر کے معنی حقیقی کو رد و سوا کرنے کا نام حق گوئی اور سخاوت ہوتا ہے۔

حالانکہ سخیہ کی اور ہر وقت اپنے نفس کی کڑی نگرانی فقر کا طرہ اختیار ہے۔ فقیر کا نفس کے ساتھ مقابلہ مرنے دم تک جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اس کا نفس مر بھی جاتا ہے تو اسے دوبارہ زندہ کر دیا جاتا ہے۔ حضور سیدنا خورشید اعظم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب نفس جہاد میں قتل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تاکہ انسان اس کا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی پاتا رہے۔ لیکن معنی ہیں اس حدیث شریف کے (جعلنا من الجہاد الا صفر الی الجہاد الا کبیر) کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہیں (فتوح الغیب ج ۶ کا حاصل)۔

نفس کے ان مواضع حلوں کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ کسی بندے کے حق میں بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اپنے نفس کے صیب نظر آنے لگتے ہیں۔“

۳۔ منکرانہ حملہ:- نفس کا منکرانہ حملہ یہ ہے کہ یہ انسان سے خدائی، نبوت، مسیحیت، اور مہدویت کا دعویٰ کراتا ہے۔ ایسا نفس رکھنے والوں کو شیطان نہایت غوا بصورت اور غریب دلائل کے ذریعے ادا دیتا ہے۔ اور ایسے زبردست مضامین فراہم کرتا ہے کہ کڑی کے ساتھ کڑی ملتی جلی جاتی ہے اور انسان آ کے سے آ کے بھٹکتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ شیطان ایسے لوگوں کی طرف بالاعداء وی بھی کرتا ہے۔ مگر وہ وی شیطانی کو وی رہائی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے بعد تمام مدعیان نبوت، مسیحیت کو یکتیوں سے غلو کر گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان الشیطنین لیوحدون الی اولیاءہم لیجادلوکم یعنی بے شک شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وی کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں (الانعام ۶: ۱۲۱)۔

مثلاً نے تصریح کر دی ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کا مرشد شیطان ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ سے اگر کوئی کرامت سرزد ہو جائے تو وہ حاصل کرامت یا مجزوہ نہیں بلکہ استدراج

ہے جیسا کہ وہاں کے ہاتھ سے اس کا صدور ہوگا (الانوار القدسیہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۳ از امام  
عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ)۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کی کوئی حد نہیں۔  
(۱) اللہ کی معرفت کی کوئی حد نہیں۔ (۲) نبی کریم ﷺ کے درجات کی کوئی حد نہیں، (۳) نفس کی  
مکاریوں کی کوئی حد نہیں۔

نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے یا حس یا قیوم ہر حمتک استعینت لا تنکسین  
الی نفسی طرفۃ عین و اصلح لی شأنی کلمۃ یعنی اے نبی و قیوم میں تیری رحمت سے مدد مانگتا  
ہوں مجھے ایک لمحہ بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر اور میرے تمام معاملات سنوادے۔

## (۲)۔ نفسِ لواامہ

لواامہ کا معنی ہے ملامت کرنے والا۔ یعنی یہ ٹیک بٹنے کی کوشش کرتا ہے مگر پھر بھی اس  
سے خطا سرزد ہو جاتی ہے۔ اور جب خطا سرزد ہو جائے تو یہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے۔ اپنی غلطی  
پر توبہ کرتا ہے اور آنکھوں اس سے باز رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کریم کو نفس کی یہ حالت بہت  
پسند ہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں نفسِ لواامہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ فرمایا تو لا اقسیم بالنفس  
اللواامۃ یعنی اور میں ضرور نفسِ لواامہ کی قسم اٹھاتا ہوں (القیلۃ ۷۵:۲)۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرم علیہم الرضوان سے پوچھا کہ اگر  
ایک شخص اونٹ پر سڑ کرتے کرتے جنگل میں آرام کرنے کے لیے رکے اور سو جائے۔ جب  
جاگے تو اس کا اونٹ غائب ہو چکا ہو۔ کھانے پینے کا سامان اونٹ پر ہی ہو۔ وہ آدمی اونٹ کو تلاش  
کرتے کرتے تھک جائے اور ہال آغرموت کے انتظار میں ایک جگہ لیٹ جائے کہ اسٹے میں  
اچانک اسے اونٹ نظر آ جائے تو بتاؤ اس آدمی کو کتنی خوشی ہوگی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول  
اللہ ﷺ انتہائی خوشی ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو  
اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۲)۔

یہ نفسِ طریقت کے طالب کا ہوا کرتا ہے جو ابھی یزیدوں پر چڑھا اور ان پر سے گرتا

رہتا ہے۔ اس کا چڑھنا بھی اس کے لیے سعادت ہے اور اس کا گرنے کے بعد تو یہ کرنا بھی اس کے لیے خوش نصیبی ہے۔ اللہ کریم مہی تو یہی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک مرتبہ ایک آدمی کعبہ میں بیٹھا عبادت کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اس کے آگے بیٹھا اللہ کی بارگاہ میں اعتراضات و خطا اور عاجزی میں مصروف ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ باری تعالیٰ! مجھ جیسا گناہ گار اور خطا کار اس روئے زمین پر کوئی نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ایسے ایسے ظلم کیے ہیں کہ اب حیرے فضل و عنایت کے سوا میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اس شخص نے سوچا میں آگے بڑھ کر دیکھوں تو کسی پر شخص کون ہے اور آخر اس نے ایسا کونسا ظلم کر لیا ہے۔ جب وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ سید السمات حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تھے (یہ عاجزی آپ اپنے مقام کے لحاظ سے کر رہے تھے)۔

اللہم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا محمد و علی

الہ الطہیین الطاہرین و اصحابہ اجمعین

ایک مرتبہ اللہ کے کسی ولی سے ایسا خطا و سرزد ہو گئی کہ اس نے سوچا کہ میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ اس خیال سے وہ مسجد و حجرہ چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ کسی شہر کی ایک گلی میں اس نے ایک منظر دیکھا۔ ماں نے اپنے بچے کو کسی غلطی پر مارا اور گھر سے نکال دیا۔ بچے بے چارہ گھر کی دلیز پر ہی بیٹھ گیا اور بیٹھا بیٹھا سو ہو گیا۔ کافی دیر کے بعد ماں نے اندر سے دروازہ کھولا تو بچہ اندر کی طرف گر گیا۔ ماں نے اسے اٹھا کر گلے سے لگا لیا۔ وہ اسے چوم رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میرے بچے! تو دروازے پر ہی سو یا چڑھا؟ بھرے شہر میں میرے بچے کا اپنی ماں کے سوا کوئی نہ تھا جس کے ہاں روٹھ کر چلا جاتا۔ حیرتی کوئی خالہ یا بھو بھی ہوتی تو تو اس کے ہاں چلا گیا ہوتا۔ اللہ کے ولی نے یہ منظر دیکھا تو فوراً ماںیں چلا گیا۔ اللہ کے گھر میں حاضر ہو گیا اور آنکھوں پر لکھ خطاؤں کے باوجود اللہ کا درخت چھوڑنے کا حویہ کر لیا۔

اللہ کریم اپنے بندوں سے ان کی ماں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ بندے کی ہر خطا کے بعد اس کی توبہ کا شکر رہتا ہے۔ اور جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ کریم آدمی بار بھی بے دریغ نہیں

فرماتا۔ والدین اپنی اولاد کی نافرمانیوں سے تنگ آ کر انہیں عاقب بھی کر دیا کرتے ہیں۔ مگر اللہ کریم نے تو پہلا اور اذوقیامت تک کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے۔

سبحن اللہ علیٰ غفرہ وبعد قدر لدو علیٰ حلمہ بعد علمہ

وہ ایسا مہنود کریم ہے کہ معاف کرتے کرتے ٹھٹھا ہی نہیں۔ ہاں آفرگناہ گارو خطا کار کو ہی کہنا پڑتا ہے کہ:

بڑی دور پہنچے جھاکرتے کرتے  
انہیں ساتھ پایادفا کرتے کرتے  
ابھی تک انہیں کچھ بھی پرواہ نہیں تھی  
ہی تھک گئے تھے خطا کرتے کرتے

### (۳)۔ نفس مطمئنہ

جب انسان ہدایت پر مستقیم ہو جائے اور صرف اچھائی کے راستے پر گامزن ہو جائے تو اس کا نفس، نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔ یہ نفس اولیاء کا طبعین اور انبیاء علیہم السلام کا نفس ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے نہایتہا النفس المطمئنة از جمعی الی ربک راضیة موصیة فادخل فی عبادی وادخل فی جنتی یعنی اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ تو اس سے راضی اور وہ قہم سے راضی۔ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا (الفجر: ۷۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)۔

حضرت قاضی شاد اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نفس مطمئنہ سے مراد وہ نفس ہے جو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں اس طرح مطمئن ہے جیسے پھلی پانی میں مطمئن ہوتی ہے۔ یہ اطمینان اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک نفس مارہ دانی گھٹیا صفات ذائل نہ ہو جائیں اور پیدہ لیں اور گھٹیا صفات اس وقت تک ذائل نہیں ہو سکتیں جب تک اللہ تعالیٰ کی صفات حمیدہ کی حق تعالیٰ نہ پڑے اور نفس اللہ کی صفات میں فنا ہو کر اس کی صفات میں باقی نہ ہو جائے۔ ایسا نفس کج معنی میں مومن ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کتا اس وقت تک پاک

نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں گر کر اسی میں نہا ہو کر تک کی صفات کے ساتھ ہوتا حاصل کر کے حاصل اور طیب نہیں ہو جاتا۔ (یہ ایک فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کتا تک کی کان میں گر کر مر جائے تو تک چڑا رہنے سے مکمل طور پر تک میں تبدیل ہو جائے تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اب اس کا تک کے طور پر استعمال جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ کتا نہیں رہا بلکہ تک بن گیا ہے۔ مؤلف (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۶۱)۔

طالب طریقت کے لیے اپنے نفس کے شر سے بچنے کا پانے کا بہترین ذریعہ تصور شیخ ہے۔ اپنے مرشد کا تصور مقصود اللہ کے طور پر نہ صرف جائز بلکہ بہت اہم چیز ہے۔

چرخو لے سا گئی سا گئی جڑو لے تو  
کے حسین فقیر سا گئی دا میں نا ہی سب تو

محاسبہ کا طریقہ

تنگی ہو یا گناہ، سب سے پہلے انسان کے دماغ میں اس کے بارے میں خیال پیدا ہوتا کرتا ہے۔ اس کے بعد انسان اس خیال کے مطابق زبان یا ہاتھ (یا دیگر اعضاء) کا استعمال کرتا ہے۔ ان تینوں چیزوں کو نفس اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا چاہتا ہے۔ جس شخص نے ان تینوں سطحوں پر نفس کے قریب کتاڑ لیا اور اس کا تدارک کرنے میں کامیاب ہو گیا وہ کامیاب چاہتا ہے۔ ذیل میں ہم ان تینوں سطحوں پر نفس پر قابو پانے کا طریقہ عرض کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

(۱) خیال:

(۱) اپنے بارے میں خیال: انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو سب سے کم تر اور دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھے۔ اور اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کو ختم نہ لینے دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَلَا تَزْكُوا النَّفْسَ كَمَا بَغِئْتُمْ بِهَا** (یا ظاہر کرو) (البقرہ ۳۴:۳۳)۔

اور اگر دوسرے لوگ منہ پر تعریف کرنے لگ جائیں تو حدیث شریف میں ہے کہ:

اِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَاحِينَ فَاحْشَوْهُمْ اَوْ جَوْهَهُمُ التُّرَابَ یعنی جب تم منہ پر تخریب کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۱۳)۔

مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی بات کو ہرگز اہمیت نہ دیں۔ بلکہ اسے ان کی چا پلوسی، غلط فہمی، یا حسن ظن پر محمول کریں۔ اپنی ذات کی تکمیل نہ لگی کریں۔ ایسے موقع پر ذکر، استغفار اور لاعول سے بھی کام نہ چلے اور اپنی نگاہ نہ ہو سکے تو تصور شیخ اس کا اثری اور کامیاب ترین علاج ہے۔ سعادت مند ہے وہ شخص جو تجربہ کاروں کے تجربے سے فائدہ اٹھائے اور نصیحت حاصل کرے۔

(ب) دوسروں کے بارے میں خیال: دوسروں کے بارے میں تجسس اور عیب جوئی کی بجائے حسن ظن رکھنا واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اجتنبوا بحسبوا آمن الظن یعنی زیادہ بد گمانی سے بچو (الحجرات ۱۲: ۱۳)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے کعبہ! مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے تجھے شان اور حرمت سے نوازا، ایک بندہ سوسن کی حرمت حیرت سے بڑھ کر ہے۔ اس کا مال اور غن بھی تجھ سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ کہ اس کے بارے میں اچھا گمان رکھا جائے (اپنی ماچ)۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ دو یا کے کنارے پر گئے تو وہاں ایک شخص کسی عورت کی ران پر سر رکھ کر شراب کی بوتل میں سے گھونٹ لے رہا تھا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے دیکھا تو دل میں سوچا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے اس شخص سے بچر بنایا ہے۔ اسنے میں کشش پر سوار پانچ آدمی دریا میں گر پڑے۔ وہ آدمی عورت اور بوتل کو دھکی پھوڑ کر بھاگا اور چار آدمیوں کو دریا سے نکال دیا۔ ایک شخص باقی رہ گیا۔ اس آدمی نے آواز دی۔ اے حسن بصری! تجھے خدا نے مجھ سے افضل بنایا ہے۔ چار آدمیوں کو میں نے پانی سے نکال دیا ہے۔ پانچویں کو تم نکال دو۔ حضرت حسن بصری نے اسے فرمایا کہ پانچویں آدمی کو بھی تم ہی نکالو ورنہ وہ ڈوب جائے گا۔ چنانچہ اس نے پانچویں آدمی کو بھی نکال دیا۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کو بتایا کہ یہ عورت میری ماں ہے اور اس بوتل میں شراب نہیں دودھ ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے دوسروں کی بات کو صحت پر لانے کی کوشش

کریں۔ اندازے اور تخمینے سے متاثرہم نکالنا معاشرتی فساد کی بہت بڑی بنیاد ہے۔ سیدھی بات کا الٹا مطلب نکالنا مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

(ج) دوسرے عام خیالات: انسان ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا ہی رہتا ہے۔ ان خیالات کے سلسلے میں نفس کے پاس ایک وسیع میدان موجود ہے۔ انسان کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا، خاموشی، حتیٰ کہ ہر حرکت اور ہر سکون اس کے خیالات کے ماتحت ہے۔ پہلے خیال آتا ہے، پھر اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ ہر عمل کو کرنا کا تعین (فرشتے) لکھ رہے ہیں اور اسی پر قیامت کے دن جزا و سزا مرتب ہوگی۔

اب یہ کہنا درست ہوا کہ بنیادی طور پر سارے کھیل کا دار و مدار انسان کے خیال پر ہے۔ چوری، ڈاکہ، زنا اور نصیحت و فحیرہ کے بارے میں سب سے پہلے خیال ہی آتا ہے پھر انسان اس پر عمل کرتا ہے۔

لہذا خیالات پر نگران اور پیرے دار کا بیٹھنا سخت ضروری ہوا جو اس پر جذب و ترسیم (Sensorship) کا کام کرے۔ ورنہ اگر یہاں سے فطری پاس ہو گئی تو اس کا زہر قیامت تک پھیل جائے گا۔ یہ پیرا جتنا مضبوط اور محتاط ہوگا اتنا ہی انسان نفس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ آپ اپنی سوچ کے بارے میں بھی سوچا کریں۔ اپنے خیالات کا بھی خیال رکھا کریں۔ ہر لحظہ اپنے خیالات کا محاسبہ کرنے کی کوشش کیجیے۔ کہیں آپ یہ بات نفس کی خواہش کی وجہ سے تو نہیں سوچ رہے؟ خیالات پر بیٹھنے والے اسی پیرے دار کا نام عقل ہے۔

یقیناً یہ کام آپ کو نہایت ہار یک اور بہت مشکل محسوس ہو رہا ہوگا۔ ہم مانتے ہیں واقعی یہ کام بڑا مشکل ہے۔ صرف ایک دن کوئی شخص یہ کام کر کے دیکھے۔ شام تک چٹے چھوٹ جائیں گے۔ لیکن خدا اس کام کو مشکل سمجھ کر چھوڑ مت دینا۔ مت سمجھنا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اس مشقت طلب کام کی عظمت سے بے خبر ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسی کام کو جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ: المجاہد من جاهد نفسه (مسکوٰۃ صفحہ ۱۵) بڑا جہاد وہ ہے جس نے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا۔

اے اللہ کی راہ میں سرکٹانے کا شوق رکھنے والے نوجوان! تجھے یہ جذبہ شہادت مبارک۔ لیکن تیرے اس جہاد کی صحت بھی نفس کی اصلاح پر موقوف ہے۔ اگر جہاد کے پردوں میں نفس کی کوئی خواہش پوشیدہ نکل آئی تو یہ جہاد تیرے لیے مصیبت بن جائے گا۔ لہذا اپنے نفس کی اصلاح کر۔ پھر جہاد بالسیف میں کود جا۔ کیا تو نہیں چاہتا کہ جہاد اکبر میں حصہ لے اور میدانِ فدا کا قہقار بن کر توفیقاً حاصل کرے؟

نفس کی مخالفت سے ہی اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ نفس، معرفتِ خداوندی کی ضد ہے۔ اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ ”جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا“۔ اس پر عمل کر کے دیکھو۔ سمجھتے چلے جاؤ گے۔ مگر یاد رکھنا! شیخ کمال کی ماہری کے بغیر اس راستے کا مسافر بھی حیرانِ آفتاب نہیں ہو سکتا۔

خیالات پر بیٹھنے والے پہرے کو حضرت شیخ اکبرؒ الدین ابن عربیؒ قدس سرہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: ”اگر حیرے خیال میں اچھائی وارد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر اچھائی سے رکسنے کا خیال آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اچھائی وہ ہے جسے شریعت نے اچھائی کہا ہو اور شر وہ ہے جسے شریعت نے شر کہا ہو، خیر اور شر کی یہی پہچان ہے۔ اب تجھے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لیے شریعت کا علم کتنا ضروری ہے“ (الوصیہ ص ۲)۔

## (۲) زبان:

خیال کے بعد زبان کا نمبر آتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ زبان پر بھی اپنی سوچ کا پورا بھائے۔ اور کھل گرائی کے بعد زبان کو کھولے۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مومن کی زبان اس کے دماغ کے ماتحت ہوتی ہے۔ جبکہ منافق کی زبان اس کے دماغ سے آگے نکل جاتی ہے۔ حضرت شیخ اکبرؒ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ زبان کو اللہ تعالیٰ نے بہت سارے دامنوں اور دو ہونٹوں کے ذریعے پابند کر دیا ہے۔ لیکن یہ پھر بھی تمام تالے توڑ دیتی ہے اور فضول باتیں کرتی ہے۔



## (۳) ہاتھ:

خیال اور زبان کے بعد ہاتھوں اور دیگر اعضاء کا نمبر آتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان (ﷺ) رنجیں۔“ اس حدیث شریف میں مذکورہ بالا تہیہ موجود ہے۔ یعنی پہلے زبان اور پھر ہاتھ۔ جو شخص کم از کم اپنے ہاتھوں پر کنٹرول کرے وہ اچھا مسلمان ہے۔ زبان پر کنٹرول حاصل کر لینا عالمانہ شیوہ ہے اور خیال پر کنٹرول کر لینا ولایت ہے۔

آپ ہر بات اور ہر کام سے پہلے تھوڑا غور کیا کریں۔ صرف ایک یا دو ٹیکہ کا وقت اور تامل درکار ہے۔ اپنے آپ سے پوچھ لیں کہ میں کیا کرنے لگا ہوں اور کیوں کرنے لگا ہوں؟ اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرماتا شروع کر دے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخرت کے امور کے سوا ہر کام میں سوچ بچار اور سرد مری (Coolmindedness) بھرتی ہے (ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۰)۔ نیز فرمایا: جلدی شیطان کی طرف سے ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۹)۔

اللہ کریم ہم سب کو اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہنے اور اس کے شر سے بچنے اور اپنی ذات کی نفی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حدیث شریف میں ہے: طوبی لمن شغل عیبه عن عیوب الناس یعنی خوشخبری ہو اس شخص کے لیے جو اپنے نفس کے عیب دیکھنے سے فارغ ہو نہ ہو کہ دوسروں کے عیب دیکھتا (بلوغ الرام صفحہ ۷۷)۔

## نفس کی اصلاح پر ایک اور مقالہ

انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے۔ نفس ہر موقع پر ہمارے کرنے سے باز نہیں آتا اور کوئی موقع غالی نہیں جانے دیتا۔ ہمارے روحانی بھائی عبدالرزاق صاحب دامت برکاتہم نے اپنے نفس سے پوچھا کہ تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ اس نے کہا یہ میری ذیوتی ہے۔ تمہارا کام ہے میرا مقابلہ کرنا، جب کہ تم اپنی ذیوتی نہیں دے رہے اور میں اپنی ذیوتی مکمل دے رہا ہوں۔

فقیر رآلم الحروف سے اسکے استاد صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہو تو پوچھ لو۔ فقیر نے عرض کیا کچھ نہیں پوچھتا۔ انہوں نے فرمایا کبھی کبھی استاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ فقیر نے عرض کیا میرا اللہ کے سوا کسی سے سوال کرنے کوئی نہیں چاہتا۔ یہ سب آپ کی محنت ہے کہ آپ نے فقیر کو اس نوبت تک پہنچایا۔ وہ فقیر کا یہ جملہ سن کر راضی ہوئے۔ آج بھی فقیر اگے لیے دعا گو ہے اللہ تعالیٰ اگلے درجات کو جلد سے جلد فرمائے آمین۔

کچھ دیر کے بعد استاد محترم علیہ الرحمہ مسجد شریف میں فقیر کے ساتھ کچھ فاصلے پر لیٹ گئے اور فقیر کو سنا سنا کر یہ دعا انگٹنا کر پڑھنے لگے۔

رب لا تکلنی الی نفسی فانک ان تکلنی الی نفسی تقربی الی الشر وکباعدنی من الخیر یعنی اے میرے رب مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔ اگر تم نے مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیا تو یہ مجھے شر کے قریب لے جائے گا اور خیر سے دور کر دے گا۔

چند سال قبل فقیر کے پاس آٹری ملاقات کے لیے سرگودھا میں تشریف لائے تو فرمایا: طریقت کے موضوع پر کتاب لکھو۔ یہ کتاب ”اسرار السلوک“ انبی کے تاکید فی فرمان کا نتیجہ ہے۔

امام الاولیاء حضرت حمید بغدادی قدس سرہ سے کسی نے پوچھا حالوصل وصل کیا ہے؟ فرمایا: تنوک از کتاب الہوی خواہشات کا ترک کرنا وصل ہے (کشف الکجب صفحہ ۲۲۳)۔

بعد جب اپنی اہمیت لگا کر نفس کا مقابلہ کرتا ہے تو بار بار جنگ کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس میں بہت دقت لگ جاتا ہے۔ اس کا صحیح طریقہ تسلیم ہے تاکہ مراد حاصل ہو جائے (کشف الکجب صفحہ ۲۲۴)۔

دراصل جب تسلیم کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو عصمت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور بعد خدا کی حفاظت میں رہ کر مجاہدے کے مقابلے میں زیادہ بیشمار ہو جاتا ہے اور نفسانی آفات کو خدا کر کے نزدیک تر ہو جاتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کبھی کوٹا کھی سے بھگانے کی بجائے بھاڑو سے بھگانا آسان ہے (کشف الکجب صفحہ ۲۲۴)۔

حضرت ہر سائیں محمد راشد مدنی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اگر طالب

ایک قدم اپنے نفس پر رکھے تو دوسرا قدم اللہ کی بارگاہ میں ہوگا۔

طالب تقدیر کی مخالفت کرتے کرتے اپنا وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔ رضا پر راضی ہونے سے نفس مرجاتا ہے اور وصل نصیب ہو جاتا ہے۔

اے بھائی! تجھے حیرانصیب مل کر رہے گا۔ جف القلم بمعانت لاقی تقدیر کا قلم فیصلہ لکھ کر خشک ہو چکا ہے (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۲۰)۔ چپ کر کے بیٹھ جا، حیرانصیب حیرت حلاش میں ہے۔

فقیر راقم الحروف ایک مرتبہ پشاور کے قریب اکبرپورہ میں ایک چشتی بزرگ حضرت سید شمس الدین شاہ صاحب کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ انہوں نے لکھ کر دیوار پر لگا یا ہوا تھا۔ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے

اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے

یہ دو جملے اللہ کریم کی رضا پر راضی رہنے کی جہت سے ہیں نہ کہ جبری عقیدہ کے لحاظ سے۔

رضا کو اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کسی کے ساتھ گفتگو میں بہل نہ کرے، کوئی کہے کھڑے ہو جاؤ تو یہ کھڑا ہو جائے اور اگر کوئی کہے بیٹھ جاؤ تو یہ بیٹھ جائے۔ جب تک کسی کی بات شریعت کے خلاف نہ ہو، سب اللہ کی طرف سے کہے۔ اپنی رائے کا دخل نہ دے۔ لوگوں کے معاملات میں ناگ نہ اڑائے، جب اسے دو کاموں میں سے ایک کا اختیار ملے تو آسان کام کو اختیار کر لے۔

حضرت ابو علی ابنی کا حب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب دل میں خوف جاگزیں ہو جائے تو پھر زبان سے وہی بات نکلتی ہے جو ضروری ہوتی ہے (رسالہ فقیر یہ صفحہ ۱۸۴)۔

حضرت ابو محمد اجیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: انصاف اور ادب یہ ہے کہ وہ شخص جو علم معرفت میں بلند مرتبہ رکھتا ہو اس علم کے حلق اس وقت تک بات نہ کرے جب تک کہ کوئی اس سے سوال نہ کرے۔ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بات کرنا صرف اس شخص

کے لیے ہار ہے جسے خاموش رہنے پر عذاب کا خطرہ ہو (کتاب الطہارۃ صفحہ ۲۶۸)۔

حضرت اہل بن عبداللہ تسری علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: ہر وہ فعل جسے انسان نبی کریم ﷺ کی اقتداء کے بغیر کرے، خواہ وہ عبادت ہو یا کوئی اور، وہ نفس کی زندگی ہے۔ اور ہر وہ فعل جسے انسان حضور ﷺ کی اقتداء میں کرے وہ نفس کے لیے عذاب ہے (رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۳۳)۔

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ وسلم

### روحانی و اخلاقی بیماریاں اور ان کا علاج

طالب پر لازم ہے کہ مختلف اذکار و انکار اور مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنے نفس کی شرارتوں کی اصلاح پر مکمل توجہ دے اور اپنی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا علاج کرے۔

ریاء کاری ایسا مرض ہے جو روحانیت کا شرک ہے، اسے شرک خفی کہتے ہیں۔ اس کا الٹ اخلاص ہے۔ طالب کو چاہے کہ کوئی بھی عبادت لوگوں کو دکھانے کی غرض سے اور اچھا آدمی کہلانے کی نیت سے نہ کرے۔ بعض لوگ ریاء کے خوف سے نیکی کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ریاء کاری سے بھی بڑی حماقت ہے۔ عبادت اور نیکی کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی نیت کو درست کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سورۃ اخلاص ایک صحیح روزانہ پڑھنے سے یا پھر یا واحد چار ہزار مرتبہ روزانہ پڑھنے سے اخلاص کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات طالب کو اپنے ذکر و فکر اور مراقبے پر تکبر آنے لگتا ہے بعض لوگوں کو علم پر تکبر آتا ہے اور بعض لوگ اپنے پیر بھائیوں کی راہنمائی کرتے کرتے تکبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ سارے اچھے کام بدستور کرتے رہنا چاہیے اور تکبر کی لٹی کرنے کے لیے قصور و غلطی کو مضبوط کرنا چاہیے اور اپنی لٹی کرنی چاہیے۔ تکبر کا بہترین علاج تواضع اور اپنی لٹی ہے۔

جب انسان کسی طرح تکبر سے جان چھڑا لیتا ہے تو اس تکبر کی لٹی میں کامیاب ہونے پر بھی اس کو تکبر آنے لگتا ہے۔ ایسے تکبر کو اخلاقیات کی زبان میں عُجب کہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ

ہے کہ انسان اپنی اوقات کو یاد کرے۔ انسان بھل گئے پانی کا ایک قطرہ ہی تو ہے۔

تکبر ہی کی ایک شاخ خود نمائی بھی ہے۔ بعض طالب خود نمائی کی غرض سے اپنے مکاشفات و مشاہدات سر عام بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں اور طریقے طریقے سے اپنی کرامات تک بیان کرنے لگتے ہیں اور بعض لوگ خود نمائی کی غرض سے اللہ کے راز لوگوں میں بیان کرنے لگتے ہیں، جب کہ بعض لوگ کم ظرفی اور عدم برداشت کی وجہ سے زبان کھول بیٹھتے ہیں۔ یہ سب باتیں طریقت کے عقیدہ طالبوں کے لیے ممنوع ہیں۔ خود نمائی کا کیز طالب کے دماغ سے بڑی دیر کے بعد نکلا کرتا ہے۔ اس کا علاج خاموشی اور مستور الخانی ہے۔

بعض طالبوں کو اپنے ہر بھائیوں پر حسد آنے لگتا ہے۔ حسد ایسی بھلی ہے جو تمام نیکوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ حسد کرنے والا فقیر اور سلوک میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسا آدمی نہ صرف اپنا ذاتی نقصان کرتا رہتا ہے بلکہ پوری جماعت کے لیے جگہ پودے معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔ وہ دین کے کاموں میں بھی روڑے اٹکانے سے باز نہیں آتا۔ وہ دین کی خدمت بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ دوسرے ہر بھائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کرتا ہے بعض اوقات کسی طالب کی اپنے کسی مخصوص ہر بھائی سے لگت بازی ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے پوری جماعت اور آستانے کا نقصان کرتے رہتے ہیں۔ طالب کی یہ حالت نہایت افسوسناک ہے اور یہ اس کی بد بختی کی انتہا ہے۔

حسد کا علاج رضا ہے۔ طالب کو چاہیے کہ اللہ کی رضا پر راضی رہے اور یوں سوچے کہ اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے بہت اچھا ہے۔ اپنے ہر بھائیوں پر حسد نہ کرے بلکہ ان کے لیے حریہ ترقی کی دعا کرے۔ اسکی دعا کرنے سے دعا کرنے والے کا اپنا فائدہ ہوتا ہے۔ پھر بھی اگر حسد آ جائے تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ اس حسد کے مطابق قدم نہ اٹھائے مذہبان نہ کھولے اور حسد کے غیبت کا خضے پارے نہ کرے۔

قصہ ایک ایسا مرض ہے جو عقل کو کھا جاتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان غصے کے وقت خاموش ہو جائے۔ فوراً وضو کرے۔ اگر بیٹھا ہے تو کھڑا ہو جائے اور اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے یا لیٹ جائے یعنی اپنی حالت بدل لے۔ مگر طریقت دانوں کے لیے اس کا حتمی علاج بھی رضا

ہے۔ بعض اوقات ذکر کی کثرت سے بھی طالب کو جلال آنے لگتا ہے، اس کا علاج درود شریف ہے۔ مگر طالب کو چاہیے کہ اپنے نفس کی وجہ سے آنے والے طبعی اور کثرت ذکر کی وجہ سے آنے والے جلال میں تمیز کرے۔

ایک اہم روحانی مرض غیبت بھی ہے۔ کسی کی غیبت کرنے سے اپنا نقصان ہوتا ہے اور محسوس غیبت کی جائے اس کے گناہ جملہ جاتے ہیں اور اسے روحانی طور پر بھی ترقی مل جاتی ہے۔ لہذا طالب کو چاہیے کہ کسی کی غیبت نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اسکی غیبت کرے تو اسکا جواب نہ دے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ جس نے اس کے مخالفوں کے ذریعے اسکی ترقی کا بندوبست کر دیا۔

طالبہ طریقت پر لازم ہے کہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے۔ دوسرے کو اچھا اور شریف سمجھے اور اس کی شکل و صورت یا لباس یا ظاہری اطوار کو دیکھ کر اس کی شخصیت کے بارے میں کوئی عیالی قائم نہ کرے۔ بعض اوقات گورڈیوں میں بھی فعل ہوتے ہیں اور خدا جانے کوئی کس حال میں ہے۔ اپنے بھائیوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ گمان ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کریم کے بارے میں بھی غلطی طرے پر سوچا شروع کر دے تو اسے ہزار صیب اور غمیاں نظر آنے لگیں گی نحو ذہاب اللہ من ذالک اور اگر کوئی شخص شیطان کی غویاں تلاش کرنا شروع کر دے تو اسے شیطان میں بے شمار کمالات نظر آنے لگ جائیں گے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

طالب کو چاہیے کہ دوسروں کے بارے میں سیدھا سوچے، مثبت ذہن رکھے اور ان کی سیدھی بات کا سیدھا مطلب لے بلکہ ایسی بات کو بھی سیدھا سمجھنے کی کوشش کرے۔ خوش نصیب ہے وہ طالب جسے اللہ کریم جل شانہ نے حسن ظن کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔

ان تمام امراض کا علاج اللہ کریم جل شانہ کے فضل پر موقوف ہے مگر طالب کو چاہیے کہ اپنی طرف سے کھل کوشش جاری رکھے۔ اگر ناکامی ہو تو اپنا قصور سمجھے اور کامیابی ہو تو اسے اللہ کا فضل سمجھے۔ یہی اہل سنت کا راستہ ہے۔

کم کھانا، کم سونا، کم پولٹا، کم ملنا

زیادہ کھانے سے لڑا ہٹ برہاد ہو جاتی ہے اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ غفلت طاری ہو جاتی ہے، تیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور شہوت زور پکڑ لیتی ہے۔

زیادہ سونے سے غفلت اور غسٹ طاری ہو جاتی ہے اور باطن کی کھڑکیاں بند ہونے لگتی ہیں۔ خصوصاً عبادات کے وقت میں سونا، صبح سورج نکلنے سے پہلے سونے رہنا اور عصر کے بعد سونا روکنا حیات کی ماس مار دیتا ہے اور تہجد کے وقت جاگنے سے نفس کا ستر ماس ہو جاتا ہے اور اس وقت انتظار اور دعا میں بہت قبول ہوتی ہیں۔

زیادہ بولنے سے انسان کا وقار برہاد ہوتا ہے اور خود نمائی میں اضافہ ہوتا ہے، نگہ، فیبت، فضول گوئی وغیرہ سب زیادہ بولنے سے ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ مشکل سوالات کے جواب میں خاموشی اور انتظار سے معرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔

لوگوں سے زیادہ ملاقات بھی خود نمائی کا سبب بنتی ہے اور یادہ گوئی کا موقع ملتا ہے، بحث و تھیس کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان اللہ کریم جل شانہ سے غافل ہونے لگتا ہے۔ لہذا خیریت اسی میں ہے کہ کم کھا میں، کم سو میں، کم بولیں اور کم لوگوں سے ملیں۔

☆.....☆.....☆

چوتھا باب

## کاملین کے اوصاف

### 1۔ شریعت کی پابندی اور نماز

اللہ کے ولی کی پہچان قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ یعنی اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لانے اور تقویٰ اختیار

کئے رکھا (یونس: ۶۳)۔

ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے عقائد اور نظریات درست تھے۔ اللہ کا مشرک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے ابوبہ، صحابہ کا ہے ابوبہ، اہل بیت کا ہے ابوبہ اور انھارے امت کا منکر اور مخالف کبھی بھی اللہ کا ولی نہیں بن سکتا۔ حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے صحابی کا گستاخ بھی ولایت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکتا۔ علامہ شہاب الدین فخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

المجلس الوطني

فذلك كلب من كلاب الهارون

یعنی جو شخص سیدنا امیر مہاوید علیہ السلام پر طعن کرتا ہو وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے (نسیم الریاض شرح شفاء جلد ۳ صفحہ ۳۲۰)۔

امام سلطان ثوری تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت علی المرتضیٰؑ کو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل سمجھتا ہو، میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۸۸)۔ ان باتوں پر تمام مصولیہ کا اجماع ہے۔

تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہو۔ احکام شریعہ میں سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم نماز کا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ روزانہ پانچ مرتبہ اس کی یاد دہانی قرآن کے ذریعے کرائی جاتی ہے اور اس کی طرف بلا یا جاتا ہے حتیٰ علی الصلوٰۃ حتیٰ علی الصلوٰۃ نماز کے لئے آؤ، نماز کے لئے آؤ۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: **الْعَمَلُ الصَّالِحُ الْذِکْرُ** یعنی میرے ذکر کے لیے نماز پڑھو۔ (طہ: ۱۴)۔ اس کے مفہوم میں بہت گہرائی موجود ہے۔

(۱)۔ میرے دل کی خاطر ملازمت۔ گو اپنا مزاجات خود ایک بہترین دل کر ہے۔

(۲)۔ چونکہ میں نے قرآن میں بار بار اس کا ذکر کیا ہے لہذا میرے اس اجتماع کا لحاظ رکھتے ہوئے تیار ہوا۔

(۳)۔ لہذا یہ دعا کہ اس خواہش پر عمل کی وجہ سے میں تمہارا ذکر اور ثنا کروں۔

(۴)۔ تمناؤں سے غافل نہیں میری ذات کی خاطر غافل ہو کر۔

(۵)۔ نماز پڑھنے والے کی صفات کے لیے حضور قلب سے پڑھ کر اللہ کی ذات کے شہودِ روحی



کے حصول کی خاطر۔

(۶)۔ نماز پڑھ میری یاد کے مقررہ اوقات میں۔

(۷)۔ نماز پڑھ سو جانے یا بھول جانے کے بعد جیسے ہی یاد آئے۔

حضور محبوب نبی کریم ﷺ روفحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں فرمایا اے علی! کاغذ اور قلم لاؤ میں کچھ وصیت لکھ دوں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ رہائی فرمادیں میں یاد کر لوں گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ اس لیے عرض کیا تھا کہ میں کاغذ قلم لینے جاؤں اور میرے بعد حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہ ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اوصی بالصلوة، والوکیفۃ وما ملکت ایمانکم یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز، زکوٰۃ اور قلاموں کے بارے میں وصیت فرمائی (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ: الصلوۃ، الصلوۃ، اتقوا اللہ فیما ملکت ایمانکم میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں، میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں اور قلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۹۸)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت ہے۔ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ وصیت بھی آخری ہے اور ہستی بھی سب سے عظیم ہے۔

ایک عام آدمی کے لیے نماز اس قدر ضروری ہے چہ جائے کہ کوئی شخص نماز کا تارک بلکہ منکر ہو اور دعویٰ ولایت کا کرتا ہو۔

حضرت حاطی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

لیس من الکاملین من لا یقوم الیل جو تہہ نہیں پڑتا وہ کامل نہیں ہے (مرقاۃ جلد ۳ صفحہ ۱۳۸)۔

ابتدائی طالبوں کے لیے یہ بات بہت اہم ہے کہ وہ نماز ترک کرنے کی عادت نہ بنائیں ورنہ آگے جا کر پریشان ہوں گے۔ نماز تمام دعات تک سے بڑا وظیفہ ہے اور تمام مراقبات سے بڑا مراقبہ ہے۔ نماز کے بغیر دعات تک پڑھنا ایسے ہے جیسے بدھوتی کے بغیر غسل ہاتھ سے گولی

تکلی جائے اور نماز کے ساتھ و نماز تک پڑھتا ہے جیسے بندہ حق میں رکھ کر کوئی چلائی جائے۔

بندہ اللہ کے سب سے قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنا سر جہے میں رکھ دیتا ہے اسی لیے اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** یعنی سجدہ کر اور قریب ہو۔ حاجی امداد اللہ بہا جی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ اے اللہ مرنے کے بعد میں تجھ سے کچھ نہیں مانگا، صرف عرش کے سامنے سہلی بچانے کی اجازت دے دینا تاکہ تجھے جہے کر سکوں۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو آپ کے مریدوں میں سے ایک کو کوئی نماز ترک کرتا تو آپ اسے کوڑے مارتے تھے اور ذکر نہ کرنے والے مریدوں کے گھر نہیں جایا کرتے تھے۔

نماز اور تلاوت قرآن ایسی نعمتیں ہیں کہ جب صاحب طریقت پر تکلیفی ہیں تو عرش کے خزانے کھل جاتے ہیں۔

ہمیشہ وضو میں رہنے والا فقیر ہمیشہ اللہ کی پناہ میں رہتا ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: **الْوَضُوءُ حَصْنُ الْمُؤْمِنِ** یعنی وضو مؤمن کا محاذ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ دل نہ چاہتا ہو مگر پھر بھی اچھی طرح وضو کرنا **(الامساخ بالوضوء علی المکارہ)** گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے (مسلم ترمذی، مشکوٰۃ مشکوٰۃ ۳۸)۔

## 2۔ اخلاص

اخلاص کی تعریف یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عبادت اور اداء اس طرح کی جائے کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے سوا اور کوئی غرض نہ ہو مثلاً مخلوق میں سے کسی کی خاطر قرض اور بھاد کرنا، لوگوں سے مدد اور تعریف کی خواہش کرنا یا کوئی اور ایسا عیال ذہن میں لانا۔ ہمیں بھی کہا جاسکتا ہے کہ مخلوق کی نگاہوں سے اپنے فعل کو پاک رکھنے کا نام اخلاص ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کریم سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ فرمایا: **سَوْءٌ مِنْ أَسْرَافٍ أَسْوَدَ قَلْبٍ مِنْ أَحِبَّةٍ مِنْ عِبَادِي** یہ میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں اس شخص کے دل میں رکھ دیتا ہوں

جس سے میں محبت کرتا ہوں) (رسالہ قشیر یہ صفحہ ۴۱۳)۔

حضرت مکیول علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو بندہ چالیس دن تک اخلاص سے عمل کرتا رہے گا اسکے دل سے حکمت کے نقشے پھوٹ کر زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ ابن ہدی نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے (ابن ہدی رقم: ۱۳۵۷) (رسالہ قشیر یہ صفحہ ۳۱۶، احیاء العلوم صفحہ ۱۸۴ مرفوعاً)۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اخلاص کی تین نشانیاں ہیں اول یہ کہ صاحب اخلاص کے لیے لوگوں کی تعریف اور مذمت یکساں ہو، دوم یہ ہے کہ وہ اعمال اس طرح کرے کہ اعمال کے مشاہدے سے بے نیاز ہو جائے، سوم وہ اس بات کا طلب گار نہ ہو کہ آخرت میں اسے اس کے اعمال کا اجر ملے گا (معارف المعارف صفحہ ۲۲۰)۔

### 3۔ اخلاق

اخلاق ہمارے نبی کریم ﷺ کے عظیم ترین کمالات میں سے ہے۔ اللہ کریم جل شانہ نے آپ ﷺ کی توصیف ان الفاظ سے فرمائی ہے انک لعلی خلق عظیم ہاے محبوب قم عظیم اخلاق کے مالک ہو۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتائیں تو فرمایا الاظہار و ان القوان، کن خلقہ القرآن یعنی کیا آپ لوگ قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

اخلاق تین طرح کا ہوتا ہے۔ پہلا اخلاق دل میں ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کا برا نہ سوچے۔ میں نے اپنے مرشد کریم حضرت علیؑ سے اس میں غور کرنے کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ اگر کوئی کسی کا برا نہیں کر سکتا، جو کسی کا اچھا کرتا ہے وہ اپنا کندہ کرتا ہے اور کوئی کسی کا برا نہیں کر سکتا، جو کسی کا برا کرتا ہے وہ اپنا اچھا برا کرتا ہے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ نے ایک بزرگ کے ہارے میں بتایا کہ وہ اپنے دشمن کے لیے سب سے

پہلے دعا کرتے تھے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ دشمن کے لیے دعا کرنا کس پر بہت بھاری ہوتا ہے۔  
ہر کسی کو شریف آدمی سمجھنا اور اس کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا اور سنجیدہ گفتگو  
کرنا اخلاقیات میں سے بہت بڑی نعمت ہے جسے اللہ عطا فرمائے۔

دوسرا اخلاق زبان سے ہوتا ہے۔ غصہ، تکبر، غیبت، حسد، لالچی بہت بڑی اخلاقی  
بیماریاں ہیں اور ان کے موضوع پر علماء و مشائخ نے مستقل کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ حدیث  
پاک میں ہے کہ میں طہاریل صدقہ ہے کلمۃ الطیبۃ صدقہ  
لیکن بعض بزرگ زبان سے اپنے اخلاق کو ظاہر نہیں فرماتے کہ کہیں اخلاق کا اظہار  
اخلاص کے معانی نہ ہو جائے۔

ہم نے بعض مشائخ کو دیکھا ہے کہ سادات کے احترام میں دیر تک کھڑے رہتے ہیں  
اور احترام و ادب کو ظاہر فرماتے ہیں اور بعض کو ایسے بھی دیکھا ہے کہ کس سے مس نہیں ہوتے مگر احد  
سے انہیں جھولے دے رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے بھائی مخدوم و محترم جناب محمد امین جاوید  
صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک سید زاوے کے ساتھ راجھستان کے علاقے میں گئے۔  
استاذ الاولیاء حضرت قبلہ علی بخش صاحب چانڈیہ قدس سرہ بھی میرا ہی تھے۔ میرا زبان بزرگ ایک کچے  
مکان میں قیام تھا۔ اسے پسینے میں شراب و کھجور کی چادر پانی پر آرام فرماتے تھے۔ جب یہ لوگ حاضر  
ہوئے تو انہوں نے کوئی خاص ادبیت نہیں دی۔ اور جہاں کسی کو جگہ ملی سب بیٹھ گئے۔ چھائین جاوید  
صاحب نے سوچا کہ اس شخص کو دوسرے مہمانوں کا نہیں تو کم از کم اس سید زاوے کا خیال رکھنا  
چاہیے تھا۔ جب یہ سوچا تو انہیں پیٹھے پیٹھے خند آ گئی۔ کہا دیکھتے ہیں کہ کمرے کی چھت کے ساتھ  
بھولا باندھا ہوا ہے وہ سید صاحب بھولے میں آرام فرما ہیں اور میرا زبان بزرگ بھولا بھلا رہے  
ہیں۔

اخلاق کی یہ قسم جلالی اور بھائی طبیعتوں کے فرق کی وجہ سے مختلف ابعاد اختیار کرتی  
ہے اور کبھی بھی جلالی بزرگوں کو بداخلاق نہیں سمجھنا چاہیے۔

سیدنا مہدائے بن مراد اگر اپنے کسی غلام کو اچھی طرح تیار پڑھتا دیکھتے تھے تو اسے

آزاد کر دیتے تھے۔ غلاموں کو اس بات کا پتہ چل گیا تو دکھاوے کے طور پر اچھی طرح نماز پڑھنے لگے۔ آپ پھر بھی انہیں آزاد کر دیتے تھے۔ آپ سے کسی نے غلاموں کی اس بات کا ذکر کیا تو فرمایا: جو شخص اللہ کے بارے میں ہمیں دھوکہ دیتا ہے تو ہم دھوکا کھا جاتے ہیں۔ یعنی یہ دھوکہ ہم کھانے کو تیار ہیں (رسالہ فقیر یہ صفحہ ۲۵۸)۔

دارے مرشد کریم قلب الاقطاب حضرت مفتی جبرائیل محمد کام مشوری قدس سرہ العزیز کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں سید ہوں مجھے پانچ ہزار روپے دیے۔ آپ نے فرمایا تعریف رکھیے۔ آپ کے پاس رقم نہیں تھی۔ کہیں سے بندوبست کر دیا۔ ایک مرید نے عرض کیا حضور ایہ شخص فلاں قوم کے فلاں آدمی کا بیٹا ہے، سید نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا غاموٹ! میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، مگر اہل بیت کے پردے میں چھپ کر آیا ہے۔ میں نے اسے نہیں اس کے پردے کو دیکھا ہے جس میں یہ چھپا ہے۔

اخلاق کی تیسری قسم کا تعقل حقوق الامداد سے ہے۔ ماں باپ سے بدلہ و انصاف نہیں بلکہ احسان کا حکم ہے اور احسان سے مراد یہ ہے کہ اپنا حق بھی انہیں دے دیا جائے۔ سب سے زیادہ حق ماں کا ہے اور پھر باپ کا۔ بڑے عاقلے میں ماں باپ کو ایسا تک کہنے کی ممانعت ہے۔ بڑا بھائی بھی باپ کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ بڑے بیٹوں کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، ہر انسان کے حقوق، تمام مخلوقات حتیٰ کہ جانوروں کے حقوق کی تفصیل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اتوا الناس منازلہم یعنی لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے اچھے اخلاق اس کے ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۲)۔

یہ حدیث ایسا معیار ہے کہ صحیح اخلاق اور بناوٹ کا فرق نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ دوستوں میں چائے پوچھ کر اچھا کہلا لینا آسان ہے، جبر بھائیوں اور مرشد کا ادب نکالہری کر لینا بھی مجبوری ہو سکتا ہے۔ بچپن تو اس وقت ہوتی ہے جب انسان گھر کی دلیلیز کے اندر قدم رکھتا ہے اور اپنی بڑی ماں اور پردہ دار بیوی کی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

بد اخلاق بیوی کو برداشت کر کے اور عورت اپنے بد اخلاقی شوہر کو برداشت کر کے روحانیت کے اعلیٰ مقامات کو حاصل کر سکتی ہے۔

اسی اخلاق کا ایک اہم شعبہ مہمان نوازی ہے۔ خاص طور پر صاحبِ مسئلہ کا مہمان نواز ہونا شد ضروری ہے۔ ہر کسی کا درد یا غم اور اپنا درد کسی کو نہ سنانا ضروری ہے۔

## 4۔ سخاوت اور مہمان نوازی

نبی کریم ﷺ رحمہم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنْفِلِ الْفَقِيْرَ غُلْبَتَكَ یعنی خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۶۷)۔

حضرت علی محمد علیہ السلام یا بابائی رحمۃ اللہ علیہ (سرخد) کا واقعہ ہے کہ ان کے مریدوں نے مرض کیا بابائی آج لنگر میں پکانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ ان کے پاس کنویں کا پانی نکالنے کے لیے ایک بھینسا موجود تھا۔ آپ نے فرمایا وہ بھینسا ذبح کر دو۔ مرید بن اٹھے اور بھینسا کھول کر ذبح خانے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک ساتھی نے راستہ روکا اور کہا یہ بھینسا ذبح نہ کرو ورنہ پانی نکالنے میں دشواری ہوگی۔ کہیں سے قرض لے کر گزرا کر لو۔ دوسروں نے کہا حضرت کا حکم ہے لہذا اسے ذبح کیا جائے گا۔ اسی طرح کئی مرتبہ ٹکرا ہوئی۔ بھینسے کا راستہ روکا بھی گیا اور اسے چلایا بھی گیا۔ بال آخر بھینسے کو ذبح کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کچھ آدمی ایک نیا بھینسا لنگر کے لیے لے کر پہنچ گئے اور بابائی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ آدمی بتانے لگے کہ اس بھینسے نے راستے میں ایک مقام پر ہمیں عجیب تماشا دکھایا۔ اچانک رک جاتا تھا اور چلانے نہیں چلتا تھا۔ مگر اچانک چل پڑتا تھا اور روکے نہیں رکھتا تھا۔ بابائی نے لنگر والوں کو بلا کر پچھا کہ تم لوگ جب بھینسے کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے تھے، کیا تم لوگ بھی ذبح کا ارادہ کرتے تھے اور کبھی یہ ارادہ ترک کر دیتے تھے؟ انہوں نے سارا قصہ سنا دیا۔ بابائی نے فرمایا جب تم چلتے تھے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھینسے کو بھی چلا دیتا تھا اور جب تم رک جاتے تھے تو اسے بھی روک دیا جاتا تھا۔ جو خرچ کرتا ہے اس پر خرچ کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ نے مشکوٰۃ شریف میں یہ حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک

فخص بہت غریب تھا۔ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا میرے لیے دعا فرمائیں، اللہ میری زندگی کا سارا رزق مجھے ایک ہی بار عطا فرمادے۔ میں بیٹ بھر کر تو کھالوں۔ آپ نے دعا فرمائی اور اللہ کریم نے اس کے حصے کا رزق ایک ہی بار بھیج دیا۔ اس شخص نے سارا ایک ہی بار پکا کر خود بھی خوب کھا یا اور فریاد میں بھی تقسیم کر دیا۔ دوسرے دن اس کے پاس پہلے سے بھی زیادہ رزق پہنچ گیا۔ اس نے اسے بھی پکا کر تقسیم کر دیا۔ روزانہ اسی طرح ہونے لگا۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے ٹگر چاری دیکھا۔ خیر ان ہو کر اللہ کریم سے پوچھا کہ ہاری تعالیٰ اس شخص کا رزق تو ختم ہو گیا تھا۔ مگر اسے روزانہ مزید کیسے مل رہا ہے؟ اللہ کریم مل مجدد نے فرمایا یہ میرا کمزور اور مغلس بندہ ہو کر اتنا سخی ہے کہ جان کی بھی پرواہ نہیں کی اور میری راہ میں سب کچھ خرچ کر کے موت کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ میرے جو دو کرم کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ میں بھی ایسے شخص پر خرچ کرنے سے گریز کروں۔ لہذا جب تک یہ خرچ کرتا جائے گا میں اسے عطا کرتا رہوں گا۔

محبوب نبی کریم ﷺ سے ایک یہودی نے پھر ارادہ اللہ کے نام پر مانگ لیا۔ آپ ﷺ نے اسے عطا فرمایا۔ وہ آدمی واپس جا کر اپنی قوم سے کہنے لگا اے لوگو! سب مسلمان ہو جاؤ۔ محمد اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے اور قاتلوں سے نہیں ڈرتا ان محمدنا ﷺ يعطی عطاء لا یحسب الفالۃ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۳)۔

صوفیاء کا طریقہ یہ بھی ہے کہ ہتھار اور نا ہتھار پر تو جھنک دیتے۔ بلکہ اللہ کے نام پر جو بھی مانگے اسے دے دیتے ہیں۔ حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جو ہتھار ہے اس پر بھی خرچ کرادہ جو ہتھار نہیں ہے اس پر بھی خرچ کرنا کہ تجھ پر وہ بھی خرچ ہو سکے جس کے تم ہتھار ہو اور وہ بھی خرچ ہو سکے جس کے تم ہتھار نہیں ہو۔

سقاوت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سائل یا غریب آدمی کی عزت نفس کو مجروح نہ کیا جائے۔ حضرت مولوی علی علیہ الرحمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے کسی ضرورت مند بھائی کے پاس ایک ہزار روپے رکھ کر کہتے تھے۔ ”میرے داماد نے تم سے اس دکنو“۔ بعد میں پیغام بھیج دیتے

کہ تمہیں انہیں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔

حضرت اہل بن عبد اللہ تسری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ الصوفی دہہ ہندو و ملکہ  
مباح یعنی صوفی کا خون معاف ہے اور انکی ملکیت مباح ہے (کشف الخجوب صفحہ ۵۱)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ جو اللہ اور  
قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۸۹،  
مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۰)۔

ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم رونے لگے۔ آپ  
سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ سات دن سے میرے ہاں کوئی مہمان نہیں آیا۔ مجھے ڈر لگتا  
ہے کہ کہیں اللہ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گیا (رسالہ فقیر یہ صفحہ ۷۱)۔

مہمان کے فکر پانی اور بسز کا خیال رکھنا صاحب طریقت پر اس کے مشائخ کے طریقہ  
کے طود پر لاگو ہے۔ اگر کوئی دوسرا شرعی اور واقعی عذر موجود نہ ہو تو فقیر کے آستانے پر ہر شخص کو  
جانے کی اجازت ہے۔ صوفیا عاجزی اور انکساری میں آکر فرماتے ہیں۔

روکوئے خرابات دمرائے لبابش

منع نیست بیا، بخشیں و بیاش (نوائع الغوار)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب حضرت عمر کو کچھ  
عطا فرمایا تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ اسے دے دیجیے جو مجھ سے زیادہ فقیر ہے۔ رسول  
اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: عذہ فعمولہ او تصدق بہ، وما جانتک من هذا المال والت غیر  
مشرف ولا سائل فخذہ، وما لا فلا تتبعہ نفسک یعنی یہ مال لے لو، اسے اپنے پاس رکھو یا  
صدقہ کرو، جو مال بغیر حاجی اور طلب کے مل جائے اسے لے لیا کرو اور جو نہ ملے اس سے فرض نہ  
رکھا کرو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۳، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۸)۔

حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تلغن اجل ذلک کان ابن عمر  
لا یسأل احدًا شیئاً ولا یرد شیئاً اعطیہ یعنی یہی وجہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہیں



مانگتے تھے اور جب خود کوئی چیز دیتا تھا تو اسے دیکھ کر کہتے تھے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۴)۔

اسی سے صوفیاء عظیم الرضوان نے اصول اخذ فرمایا ہے کہ کسی سے طبع نہ رکھو، کوئی غور دے تو صبح نہ کرو، جب مل جائے تو صبح نہ کرو لا طمع ولا منع ولا جمع۔

## 5۔ خدمت

میدانِ طریقت میں خدمت کو بہت بڑی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ مرشد کی خدمت و پیروی بھائیوں اور دیگر فقراء و اولیاء کی خدمت، ماں باپ کی خدمت، ہر انسان کی خدمت غمناک کا فرقی کیوں نہ ہو، اور تمام مخلوقات کی خدمت غمناک یا نورانی کیوں نہ ہو۔ البتہ مراتب کا لحاظ اور انزل و العالیٰ صاف نظر رکھتے ہوئے یا اسی ترتیبات کو سمجھ کر خدمت سرانجام دینا ضروری ہے۔

حضرت سیدنا انس بن مالک ؓ کا لقب ہی خادم الرسول ہے۔ آپ مسلسل دس سال آپ ؐ کی خدمت کرتے رہے (بخاری، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۳)۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کی ذیہنی ترقی کہ وہ محبوب کریم ؐ کے ناطقین مقدس، لائق، لونا اور جائے نماز سنبھالے رکھتے تھے۔ کسی مجلس میں حبیب کریم ؐ تشریف فرما ہوتے تو آپ ناطقین مبارک سنبھال لیتے تھے اور جب آپ ؐ مجلس سے اٹھتے تو ناطقین مبارک پہنا دیتے تھے۔ آپ کا لقب صاحب الناطقین، صاحب الوسادۃ و صاحب الطہیرۃ تھا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱)۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ کا لقب صاحب حصا، صاحب ردا، صاحب راحلہ، صاحب مسواک، صاحب میخاضہ اور صاحب ناطقین تھا (مسند امام ما عظم صفحہ ۱۸۳)۔

ایک مرتبہ حضرت ربیعہ بن کعب ؓ نے آپ ؐ کو دھوکا دیا۔ حضور ؐ نے فرمایا ربیعہ! گھوکا دیا مانگتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ فرمایا اس کے علاوہ کوئی حاجت ہے؟ عرض کیا یہی ہے۔ فرمایا نفل پڑھ کر اپنے حق میں میری مدد کرو (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۸۴)۔

ایک حدیث میں ہے کہ سید المرسلین رؤف رحیم ﷺ ایک مرتبہ طہارت خانے سے ہو کر باہر تشریف لائے تو آگے صحابہ کرام کھڑے تھے۔ وضو کا برتن پانی سے بھرا رکھا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ پانی کس نے بھرا ہے؟ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ عبداللہ بن عباس نے بھرا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللھم علیمہ الكتاب والحکمة یعنی اے اللہ تعالیٰ عباس کو کتاب و حکمت کا علم عطا فرما (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۸)۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخیوں کی صفیں بنائی جا رہی ہوں گی۔ ان کے پاس سے ایک جتنی آدمی گزرے گا۔ دوزخیوں میں سے ایک آدمی بولے گا اے ملاں! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ میں نے آپ کو پانی پلایا تھا۔ دوسرا کہے گا میں نے آپ کو وضو کرایا تھا۔ وہ جتنی دن دوزخ کی شقامت کرے گا اور انہیں جنت میں داخل کر دے گا (ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۳)۔

صاحب طریقت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے پاس آلے والوں کو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کا بیجا ہوا سمجھے اور اسی نسبت سے اس کا احترام کرے۔ نگر پانی اور ہر خدمت کے لیے کمر بستہ ہے اور آنے والوں سے پوچھے میرے لیے کیا حکم ہے؟

ایک مرتبہ فقیر راقم الحروف اپنے جیڑ بھائی عبدالرؤف صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ اپنے مرشد خانے درگاہ مشوری شریف میں حاضر ہوا۔ گرمی کا موسم تھا۔ وہ پہر چار بجے کا وقت تھا۔ نگر جو چکا تھا۔ شہزادہ حضرت قبلہ سامیں منظور احمد مشوری دامت برکاتہم اللہ علیہم نے ہم سے کھانا پوچھا۔ ہم نے عرض کیا حضور ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ نگر شریف کا بیجا ہوا کوئی نگر چاہا تو عمارت فرما دیں۔ دست بستہ گزارش ہے کہ تازہ کھانا نہ بنائیں۔ سامیں نے نگر شریف کا ایک نگر لا کر چھابے میں ہمارے سامنے رکھ دیا جس پر چٹنی رکھی تھی۔ خدا گواہ ہے ہمیں نگر کے اس کھلے پر بڑا تازہ ہے۔ ہم نگر کھا رہے تھے اور سامیں ہمیں چوری چوری پنکھا جھل رہے تھے۔ ہم درگاہ مشوری شریف پر بھوکے کیوں گئے؟ ہم نے تازہ کھانا مانگنے کی بجائے بیجا ہوا نگر کیوں مانگا؟ سامیں نے ہمیں پنکھا کیوں جھلا؟ ہم نے پنکھا جھلنے سے منع کیوں نہ کیا؟ ہر بات میں فقراء کے لیے سبق موجود ہے۔

## 6۔ استغناء

استغناء کا معنی ہے بے نیاز ہونا اور کسی سے فرض اور لالچ نہ رکھنا۔ استغناء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ استغناء ظاہری یہ ہے کہ صاحبِ مسند و ارشاد، غفلت کی بے لوث خدمت کرے۔ کسی سے سوال نہ کرے نہ ہی دل میں کسی سے لالچ کرے۔ آنے جانے والوں کی جیب سے فرض نہ رکھے۔ چھین رکھے کہ میرا نصیب مجھے مل کر رہے گا۔ کبھی کسی ایم پی اے، ایم این اے یا سرکاری افسر سے ملنے نہ جائے نہ ہی ایسے لوگوں سے اپنی مذہبی غافل کی صدارت اور سرپرستی کرائے۔ ہاں فقیروں کے دروازے پر ہر کسی کو از خود آنے کی اجازت ہے مگر کسی کی بھریم اس کی حد سے زیادہ نہ کی جائے۔ اگر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا ہو تو تکبر کے ساتھ تکبر سے چٹل آئے، مگر ہر آدمی اس کا اہل نہیں ہوتا۔

استغناء باطنی یہ ہے کہ اپنے مرشد کے سوا کسی دوسرے کو اپنا شیخ نہ بنائے، طریقت کے مشرک اور بے دقا لوگوں کی غیبت کش ٹھکرا دے۔ اللہ کریم جل شانہ کے سوا کسی سے سوال نہ کرے۔ وقت و وقت کی بات ہوتی ہے۔ فقیر کو ایک منیر نامی دوست نے اپنا غلاب سنایا کہ انہیں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ ایک اور آدمی بھی پاس بیٹھا تھا۔ اس آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے اسے تھکی دی۔ منیر صاحب نے بھی عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر پھینک دیا۔ دوسرے آدمی نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے اسے تھکی دی۔ منیر صاحب نے بھی دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ مدد۔ آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر پھینک دیا۔ منیر صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس آدمی کو تھکی دیجئے ہیں اور مجھے اٹھا کر پھینکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی اور بات ہے۔

ایسی کیفیت والے فقیر پر اپنے مرشد اور نبی کریم ﷺ کا ادب پہلے سے بھی زیادہ لازم ہو جاتا ہے جنہوں نے اسے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ اگر خدا خواستہ دماغ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے اعتنائی کا معمولی شائبہ بھی آ گیا تو ایمان بطل جائے گا۔

و جہنم میں کیا جہان سے مستثنیٰ ہوا

ہے۔ غلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

جب آپ کو اپنے شیخ نے ایک اللہ جل شانہ تک پہنچا دیا تو پھر کسی دوسرے شیخ کا سوالیٰ بن کر اپنی منزل سے نہ گرا۔ کوئی دوسرا تجھے اس سے آگے کہاں پہنچائے گا؟ بڑے سے بڑے کمال نے بھی خدا تک ہی پہنچنا ہوتا ہے توکل اور استغناء ہی سکھاتا ہوتا ہے۔ تو پھر کیا اس کے بعد کسی تیسرے کو حائل کر دے؟ اس طرح محض وقت ضائع ہوگا اور سزا میں بھی آ جاؤ گے۔

یہاں آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ استغناء کا تعلق توکل سے ہے اور اس پر قائم رہنا استقامت ہے۔ یہاں حدیث پڑھیے۔

عَنْ بَنِي غَنَاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ قَالَ سَمِعْتُ خَلِيفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ يَقُولُ يَا خَلِيفُ، احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدَ لَهُ مَا تُبْتَغِي، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعِذْتَ فَاسْتَعِزْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكَ، رَوَاهُ الْإِسْلَامُ وَجَمَاعَةُ الْمُصَنِّفِينَ

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اللہ کو یاد رکھو، تجھے یاد رکھے گا، اللہ کی حضوری میں رہو تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب سوال کرو تو اللہ سے سوال کرو، جب مدد مانگو تو اللہ سے مدد مانگو، اور جان لے کہ اگر سب لوگ تیرا کھد کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تیرا کھد قائم نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر سارے لوگ تیرا نقصان کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تیرا کچھ نقصان نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے، قلم ہٹا لیا گیا ہے اور کھسائی خشک ہو چکی ہے (احمد ترمذی، مشکوٰۃ ص ۵۲)۔

واضح رہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں میر اور توکل کے باب میں بیان ہوئی ہے۔ ہر شخص اس مقام اور مرتبے کا حامل نہیں ہوتا۔ لہذا اسے اولیاء اللہ کے خلاف پڑھنا اور مست نہیں۔

## 7۔ استقامت

اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا اتقوا الله عليم  
 الملائكة ان لا يخافوا ولا يحزنوا وابلشروا بالجنة التي كنتم توعدون یعنی بے شک جن  
 لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر استقامت اختیار کی، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ  
 مت ڈرو اور مت غم کرو اور جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (فصلت، حم  
 سجدہ: ۳۰ تا ۲۶)۔

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ تم اس آیت ان الذين قالوا  
 ربنا الله ثم استقاموا کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اسحاق صوا کا معنی یہ ہے کہ  
 گناہ نہ کیا اور اپنے ایمان کو خطاؤں میں ملوث نہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے اسے صحیح معنی پر محمول  
 نہیں کیا۔ تم استقاموا کا معنی یہ ہے کہ: فلم يلفظوا الى الله غيره یعنی اللہ کے سوا کسی معبود کی  
 طرف توجہ نہیں ہوئے (قرطبی جلد ۱۵ صفحہ ۳۱۲)۔

امام نووی علیہ الرحمہ کہتے ہیں: ثم استقاموا فلم يحدوا عن التوحيد والتمسوا  
 طاعته سبحانه وتعالى الى ان توفوا على ذلك یعنی ثم استقاموا کا معنی یہ ہے کہ وہ توحید  
 کی راہ سے نہیں ہٹے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت کا التزام کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی وفات ہو  
 جائے (شرح نووی علیٰ مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۸)۔ حضرت شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی قدس سرہ  
 فرماتے ہیں: ثم استقاموا اليه بالسلوك في طريقه والتمسوا طاعته مخلصين  
 لا عماليهم عاملين لوجهه، غير ملتزمين بها الى غيره یعنی استقامت سے مراد اللہ کے  
 راستے میں اسی کی طرف سڑ کرنا اور اس کے راستے میں غمناک طریقے سے عمل کرتے ہوئے  
 ثابت قدم رہنا، اسی کی رضا کے لیے عمل کرنا، عمل کے ذریعے کسی غیر کی طرف التفات نہ کرنا ہے  
 (تفسیر ابن عربی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰)۔

حدیث پاک میں ہے کہ حضرت مہدیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ قل لی

فی الاسلام قولاً لا اسأل عنه احداً بعدک قال قل اعنت بالله ثم استقم یعنی یا رسول اللہ مجھے ایسی نصیحت فرمائے کہ پھر آپ کے علاوہ مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ فرمایا کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر استقامت اختیار کر (یعنی ڈٹ جا) (مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۸)۔

قرآن شریف کی آیت **ثُمَّ اسْتَغْفِرُوا** کی مذکورہ بالا تفسیر میں اور یہ تم استغفم والی حدیث پڑھ کر ظاہر بین کا ذہن محض بت پرستی کے مقابلے پر توحید پرستی کی تعلیم کی طرف جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس آیت اور حدیث میں اللہ کریم کی ذات پر توکل، اعتماد اور اس کے دروازے سے نہ بٹنے کی صوفیانہ تعلیم موجود ہے جس کے نتیجے میں شرک اور بت پرستی کی نفی ہر جہاد فی ہو جاتی ہے۔

اس موضوع پر حضرت امام عبدالحکیم ہوازن القشیری قدس سرہ نے مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”الاستقامۃ“۔ امام نووی علیہ الرحمہ اس رسالہ سے اقتباس نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **الاستقامۃ لا یطقیها الا اکابر لانہا الخروج عن المعهودات و مفارقة الرسوم و العادات، و القيام بین یدی اللہ تعالیٰ علی حقیقۃ الصدیق و الذلک قال ﷺ استقیموا و لن نحصوا و قال الواسطی الخصلۃ الیہا جمعت المحاسن و یفقدہا قبح المحاسن الاستقامۃ یعنی استقامت اختیار کرنے کی طاقت اکابر کے سوا کسی کے پاس نہیں، اس لیے کہ تکلفات سے نکلنے، اور رسوم و عادات کو چھوڑنے اور اللہ کی بارگاہ میں حقیقی صدق کے ساتھ کھڑا ہونے کا نام استقامت ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا استقامت اختیار کرو مگر تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ واسطی فرماتے ہیں: وہ خصلت جس سے تمام محاسن کو حسن و جمال ملا، اور جس کے کھو جانے سے تمام محاسن قباحت میں بدل گئے وہ استقامت ہے (شرح نووی علی مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۸)۔**

امام قشیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ابتدائی صاحب طریقت کی استقامت یہ ہے کہ انکے معاملات میں سستی پیدا نہ ہو۔ متوسطہ درجہ کے لوگوں کی استقامت یہ ہے کہ وہ اپنی منزل پر ہی نہ ٹھہر جائیں اور انتہائی لوگوں کی استقامت یہ ہے کہ انکے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو (رسالہ قشیریہ صفحہ ۴۱۰)۔

نومسلم کی استقامت یہ ہے کہ جب کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہو جائے تو اب واپسی کے دروازے بند کر دے۔ عام مسلمان کی استقامت یہ ہے کہ شریعت کے اور امر و نواہی پر ثابت قدم رہے اور جو عمل شروع کرے اسے جاری رکھے۔ طریقت والے جہندی کی استقامت یہ ہے کہ اپنے مرشد کے دپے ہوئے ذکر و فکر پر پختگی کرے اور جو سچے ملے اسے پورا کرے۔ مقررین اور کالمین کی استقامت یہ ہے کہ ہر عمل اور دعوہ بخش اللہ کی بندگی اور عبادت کی خاطر کریں، اللہ کے سوا کسی طرف متوجہ نہ ہوں اور اسی کی ذات پر اعتماد اور توکل کریں، اسی کی رضا پر راضی رہیں۔ اپنی ذات کے لیے دعا بھی نہ کریں اور جو ہوتا ہے ہونے دیں۔

یہ اتنا مشکل مرحلہ ہے کہ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: *مَنْ يَتَّبِعْنِي هُوَ ذُو امْنَالِهَا* یعنی مجھے سورۃ حمود اور اس جیسی آیات نے بوڑھا کر دیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سی آیت ہے۔ فرمایا: *بِاسْمِكَ اَمْرٌ* یعنی جیسے آپ کو حکم دیا جاتا ہے اس پر استقامت اختیار کرو۔

## 8۔ ہمارے مرشد کریم مشوری والے سائیں

قلب الاقطاب، شیخ الشانخ، سید العارفین، ربیع العاشقین، شمس العلماء، الراحمین، فقیر، اعظم حضرت جبر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ الاقدس ماضی قریب کی مایہ ناز علمی اور روحانی ہستی جو فیضانِ دکنال سے بھر پور، سنجیدگی اور متانت میں لاجبانی، اور خدائی الرسول ہونے کے ناطے نبی کریم ﷺ کی سنت کا ایک بھترین نمونہ تھے۔

مشوری آپ کی قوم تھی۔ اسی وجہ سے آپ کے گاؤں کا نام مشوری شریف ہے۔ مشوری شریف کا ریلوے اسٹیشن لاکھانہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر دادو کی جانب ہے۔

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ کے خواص تھے۔ حضرت جبر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہ کے ہاں سلسلہ عالیہ قادریہ کی طرف سے وحدت الوجود اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ یہ مجددی کی طرف سے وحدت الشہود کا حسین استخراج تھا۔ ان دونوں سلسلوں کے فیضان سے آپ نے اور آپ کے مریدین نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت کو پایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ طیب میں وحدت کے دریا بھی نوش کرا دیے جاتے ہیں اور شریعت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں

پہنچا۔

یوں تو ہر شخص اپنے سلسلے اور اپنے مشائخ کی مدح و تعریف بڑھ چڑھ کر بیان کرتا رہتا ہے مگر بلا اس سلسلہ عالیہ کی شان یکجہ ”نوکھری“ ہے۔ مرید تو اپنے مرشد کی شان بیان کرتے ہی رہتے ہیں مگر ہم اپنے مرشد کریم کی شان میں ان کے ہم عصر علامہ و مشائخ کے بیانات کے انبار دکھا سکتے ہیں۔ بر دست ہم ان کے دور کی ایک جلیل القدر علمی اور روحانی شخصیت غزالی دوراں رازی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کالمی رحمت اللہ علیہ کا ایک بیان پیش کرتے ہیں جس کو پڑھنے کے بعد اگر کوئی آپ کی عنکبوتوں کا اعتراف نہیں کرے گا تو حیران ضرور ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت قبلہ کالمی صاحب قدس سرہ اپنے ایک عربی مکتوب میں لکھتے ہیں۔

قدوة العارفين، عمدة الصالحين زبدة العلماء الراستخين، الاورع الاكرام، الفقيه الاعظم، سيدى مولانا محمد قاسم المشورى متعنا الله تعالى بطول حياته، والفاض علينا من بر كاته

(درگاہ مشوری شریف کی فائل میں مکتوب محرر خواں المحرم ۱۳۰۳ھ)

آپ علوم ظاہریہ و باطنیہ سے آراستہ کامل دیدہ ہستی تھے۔ علم ظاہری ایسا کہ میراث کا علم بلاشبہ تمام علوم ظاہریہ میں مشکل و دقیق علم ہے، آپ نے اس موضوع پر ”معلم اللرائض“ نام کی ضخیم کتاب حدیسی زبان میں لکھی ہے جس میں شریعیہ کو بھی کھولا گیا ہے۔

اپنے صاحبزادگان کو غور و تعلیم دیتے رہے۔ ایک دن آپ شاہزادہ حضرت مامی منیر احمد دامت برکاتہم العالیہ کو (جناپ کے پوتے تھا) جامع صیغہ پڑھا رہے تھے۔ فقیر راقم الحروف جامع کے لیے پاس حاضر تھا۔ آپ مسجد شریف کے محراب میں مصلائے امامت پر شمال مشرق کی طرف رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ نے حدیث شریف پڑھائی: ”المومن للمؤمن كالبنیان یشد بعضہ بعضا ثم شیک بین اصابعہ“ (بخاری صفحہ ۸۹۰ جلد ۲)۔ آپ نے شیک بین اصابعہ سمجھانے کے لیے دونوں ہاتھ آہستہ آہستہ لرزاتے ہوئے اٹھائے اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر تشبیہ سمجھائی۔ راقم الحروف کو ملاحظہ آج تک یاد ہے۔ عربی اور فارسی کی چند کتابیں درگاہ شریف میں عرصہ دراز سے پڑھائی جاتی تھیں۔



ضروری علوم شرعیہ طالباں کی طریقت کو سکھائے جاتے تھے۔ تاکہ جاہل اور شریعت مطہرہ کے دشمن صوفی پیدا نہ ہوں بلکہ طریقت و شریعت کا احراز رہے کہ یہ اصل مشیت نبوی ہے۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے جامعہ اسمیہ نام سے ایک عظیم درگاہ و دہلی مشہوری شریف میں بنادی گئی ہے۔ وہاں اس وقت (نامہ تحریر 2009ء) حضرت علامہ مفتی محمد ہاشم صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ فرائض تدریس سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ نے تحریک پاکستان میں نہایت ہی گرم جوشی سے حصہ لیا اور ۱۹۴۶ء میں پاکستان بنانے کی خاطر منعقد ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں دو روزہ مذاکرے کے شامل ہوئے۔ آپ ایسا اسلام دشمن عناصر کے خلاف سرگرم عمل رہے۔ بھٹو نے جب پاکستان میں سوشل ازم کا فروغ دیا تو آپ سب سے پہلے اس فتنے کے انسداد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حتیٰ کہ موجودہ سیاسی جھگڑوں سے بے زار ہونے کے باوجود بھٹو کے قتلے میں اس کے خلاف انجیشن لڑنے کا بھی اعلان کر دیا۔

۱۱ جولائی ۱۹۷۰ء کو جمعیت علمائے پاکستان صوبہ سندھ کے صدر منتخب ہوئے اور بڑی محنت اور جاں فشانی سے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ آج بھی صوبہ سندھ اور صوبہ بلوچستان میں آپ کے مریدین جماعت اہل سنت، جمعیت علمائے پاکستان اور عظیم المدارس کے اہم ترین عہدوں پر فائز ہیں اور ان دونوں صوبوں کی سنی قیامت پر الٹا قبضہ ہے۔

کمال طریقت ایسا تھا کہ سلف صالحین کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ طالب طریقت خواہ کسی منزل میں الٹا ہو طلبہ حق میں غلوں کے ساتھ ایک دلدہ حاضری دیتا تو رکاوٹ ختم ہو جاتی اور وہ اس منزل سے آگے نکل جاتا۔ زبانی اپنا مسئلہ عرض کرنا ضروری نہ تھا۔

خدا شاہد ہے کہ اب بعد از وصال وہ گوار غلام سے باہر آ چکی ہے۔ اب تو تھنڈیوں کی سیرابی کا سماں ہی دوسرا ہے۔

ادب اس قدر تھا کہ اپنے اُن مریدوں کے ہاتھ چوم لیا کرتے تھے جو سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔ سید زادے کے احترام میں دونوں ہاتھ جوڑ کر تادیر کھڑے رہنے کا منظر راقم الحروف نے آنکھوں سے دیکھا ہے۔

حضرت خزانہ داروں رازی کرام علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کالمی قدس سرہ کے محض پیغام اور خط کا اس قدر احترام فرماتے تھے جیسے قبلہ کالمی صاحب علیہ الرحمۃ خود تشریف لے آئے ہوں۔

ساری زندگی آپ کو کسی نے زمین پر قہقہے نہیں دیکھا لعاب مہارک کو کھڑے (رومال) میں لے لیا کرتے تھے۔

کبھی آقا نے دو جہاں ﷺ کا نام ظلم شریف بلا ضرورت شری نہیں پکارا بس آقا ہر کار، حضور، سامیں، حضرت حبیب کریم ﷺ جیسے اکتاب سے یاد فرماتے حتیٰ کہ چہرے نے شاہزادے کا اسم گرامی حبر کا ”محمد“ رکھا۔ مگر زندگی ہر ان کو بھی اس نام سے کبھی نہ پکارا۔ بلکہ انہیں ”نالے مٹھا“ کہہ کر بلا تے تھے۔ سندھی میں نالے مٹھا کا معنی ہے ”مٹھا نام“ اب سب لوگ انہیں سامیں نالے مٹھا کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔

رفیق اس قدر تھا کہ خود بھی روتے تھے اور مریدین و ازادین کو بھی دلاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی مسجد شریف میں کھڑے تھے۔ بہت سے لوگ سالانہ بارہویں شریف میں شمولیت کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ کھڑے ہو کر سب سے مل رہے تھے۔ پہلے سندھی زبان میں فرمایا:

وڈی مہربانی منجھا پتر توں اچھی ویا آھو غریب جی حوصلہ افزائی جے لئی۔ مگر اردو زبان میں فرمایا: بڑی مہربانی بیٹا، آپ لوگ آئے ہو مجھ غریب کی حوصلہ افزائی کے لیے۔

شریعت کی پابندی اس قدر کرتے کہ آخری چند سالوں میں سو سال کے قریب عمر شریف ہو جانے کے باعث جل نہیں سکتے تھے مگر پھر بھی پہچوں والی کرسی میں بیٹھ کر نماز باجماعت میں شامل ہوتے۔ کرسی میں بیٹھ کر ہی نماز ادا فرماتے تھے۔ آخری تین سالوں میں مشاہدہ خداوندی میں استغراق کی کیفیت رہی۔ آپ ہر بات کے حجاب میں غاموش رہنے لگے۔ مثلاً اگر کوئی کہتا کہ سامیں پانی نکلیں گے؟ تو آپ غاموش رہتے۔ اگر کوئی کہتا کہ سامیں یہ فلاں مہمان آیا ہے تو آپ غاموش رہتے۔ اگر کوئی کہتا کہ سامیں آپ کی طبیعت مہارک کیسی ہے تو آپ غاموش رہتے۔ لیکن اگر کوئی پوچھتا کہ سامیں نماز پڑھیں گے؟ تو آپ پورے جسم مہارک کو جنبش

دیتے اور جلدی سے فرماتے "ہاں"

آپ نے بچانے والے سال کی عمر مبارک میں رحلت فرمائی ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے حضرت سائیں علی محمد معروف بہ میاں سائیں قدس اللہ سرہ الاقدس اور حضرت سخی سائیں نالے سخا قدس اللہ سرہ الاقدس تھے۔ یہ دونوں ہستیاں اس دنیا سے جا چکی ہیں۔

آپ کے تقریباً اٹھارہ خلفاء اور بے شمار شاگرد ہیں۔ آپ کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں فتاویٰ قاسمیہ (دو جلدوں میں)، معجم الفرائض، مجموعہ رسائل قاسمیہ، اشباح الکلام فی تحقیق مدق الارضاع والنظام، الحجۃ البیضاء فی حرمت الصدقات الواجبة علی الشرفاء، فتح الورد فی تحقیق امرأۃ المستقر، ارشاد امیراۃ فی تصحیح الحلق بالانسان، تفسیر القصص الخبیرہ، رسالہ الخلیفہ فی لزوم ہستر والنجاب، ایضات الواضحات فی استنباط الذکر بالبحر بعد المکتوبات، احتیاج للاشراف فی احکام جدیدہ الاوقاف، مسائل ذکوة میں جسٹس ڈاکٹر سید علی الرحمن صاحب کی تحریر اور تحقیقات پر ایک نظر، موضح البیان فی ان الشیخ ابی القاسم، کتاب الناحی والمسوخ، الدلیل المستقل فی تحریم الخمر، منع الصواب فی تحقیق الخمر، تحفۃ الاخوان فی منع شرب الدخان، ارشاد طریقت وغیرہ۔

اللہ کریم ہمیں اپنے محبوب بندوں کی بیروی اور غلامی کی توفیق بخشے اور ادب نصیب فرمائے۔ آمین یہاں اعلیٰ الکریم الامین ﷺ

# اولیاء کے وصیت نامے

اور

## تعلیمات کا خلاصہ



### وصایا ہاشمیہ

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم العلماء محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ کا یہ وصیت نامہ حضرت علامہ ابوالسراج محمد عظیم  
احمد ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تحفۃ الزائرین حصہ پنجم میں شائع فرمایا ہے۔ استاذ الاولیاء  
حضرت مولانا علی بخش صاحب چاٹھو قدس سرہ نے یہ وصیت نامہ فقیر کو عطا فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ  
انہیں اس احسان پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ ہم اہل اسلام کے استفادہ کے لیے اس وصیت نامے کا  
ترجمہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ کریم اسے علماء، قراء اور عوام کے لیے

فائدہ مند بنائے اور حضرت محمد دم رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے جزیل عطا فرمائے۔

## وصایا ہاشمیہ کا ترجمہ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو بلند بالا ہے۔ اس نے ہمیں کبھی ہی بھر پور نعمتوں سے نوازا ہے، اور اپنے کرم کے صلیات سے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ صلوٰۃ وسلام ہو اس کے رسول مصطفیٰ پر جن کی شان میں ولسوف یعطیک ربک فخر حسن نازل ہوئی اور آپ کے صحابہ پر جو سعادت مند فائدہ ہیں اور اہل تقویٰ کے سرور ہیں۔ انا بعد

اے میرے دونوں کریم بچے تمہارا رب تم دونوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنے لطف و شریک سے توفیق عطا فرمائے۔ میری مراد مہدٰ الرحمن اور مہدٰ لطیف ہیں اور اے مریدوں اور طالبوں میں سے محبت کرنے والے مہربان اور کھمدار دوستو! میں تمہیں اللہ عزوجل کا ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، تقویٰ بڑی بلند چیز ہے اور تمام کمالات کا جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اولیاء اللہ کے سرداروں (یعنی صحابہ) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ہم نے تم سے پہلے لوگوں کو بھی یہی وصیت کی اور تمہیں بھی تقویٰ کی وصیت فرماتے ہیں۔

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور آخرت کے گھر کی طرف متوجہ رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور دنیا سے منہ پھیرنے اور ہر اس چیز سے منہ پھیرنے کی وصیت کرتا ہوں جسکی تعمیر میں جمع میں اور اسکی لذتوں سے لطف اعمدہ ہونے میں اور اسکی آرائش سے دھوکا کھانے میں لوگ مشغول رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مرتضیٰ ﷺ سے فرمایا۔ فرمادیکھئے: دنیا کی دولت قلیل ہے اور تقویٰ والوں کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ اس حقیقت کو اس شعر میں بخوبی سمجھا دیا گیا ہے۔

النار اخر دینار نطقت به والہم آخر هذا الدرهم الجاری

و المرء عاذا م معشوقا بحیہا معذب القلب بین الہم والنار

ترجمہ: دولت و دنیا کا انجام آگ ہے، اور مروجہ درہم کا انجام غم ہے، اور آدنی جب تک دولت کا بجاری بنا رہتا ہے، اس کے دل کو درہم کے غم اور دولت کی آگ کا عذاب ہوتا رہتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

دنیا گذران مستعد سروشیہ چون سعدیاباست خندوشیہ

چون رزق مند است حکم سکوشیہ چون گفتنوست خلووشیہ

ترجمہ: دنیا کو دردِ دل کی مستی میں گزارنا بہتر ہے، ہم دنیا میں تلخ کی طرح ہیں تو پھر سادہ لباس بہتر ہے۔ جب رزق مقدر ہے، تو تھوڑی کوشش بہتر ہے، اور جب ہر بات کو اگلے گھ لیتے ہیں تو خاموشی بہتر ہے۔

دنیا اور انکی زندگیّت کو بھی حسین مت سمجھنا اس لئے کہ اسکا ظاہر سرسبز و شاداب ہے مگر اسکا باطن انسان کے لئے زہر ہے۔ انکی طرف صرف عبرت حاصل کرنے کے لئے دیکھو، کہ یہ کبھی کسی کے ساتھ پیش نہیں رہی، بلکہ ہر کسی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے، خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ میں تمہیں نصیحت کرنے اور دنیا کی خاطر پریشان نہ ہونے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر جائدار کے رزق کا کفیل ہے کہ زمین میں کوئی ایسا جائدار نہیں جسکا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہ ہو، لہذا اپنا دل بڑا کر، جو اللہ پہ توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک مقدار مقرر کر رکھی ہے۔

میں تمہیں اللہ اعظم ہائے الہ کی مسلسل نعمتوں کا صبح و شام شکر ادا کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، جو بھی نعمت تمہیں کسی واسطے سے ملے اسے اللہ کی طرف سے سمجھو اور اسکا ان نعمتوں پر شکر ادا کرو جیسا کہ انکی ذات کے شایانِ شان ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہیں جو بھی نعمت پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔

میں تمہیں ہمیشہ ہر گھڑی اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ شیطانی دوسوں کو کاٹتا ہے اور دین کے دشمنوں کی شان و شوکت ختم کرتا ہے اور اللہ قوی و متین کی طرف سے اپنے بندے کو یاد رکھنے کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مومن میں فرمایا: تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، میرا شکر ادا کرو اور تمہاری امت کرو۔ قرآن عظیم جس کا نام ذکر بھی ہے انکی عبادت اختیار کرو۔ یہ اللہ اعز و اعظم کا کلام ہے اور اللہ کے کلام کی فضیلت دوسرے

تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت تمام انسانوں پر۔ پھر قرآن کے بعد سب سے افضل اللہ کا ذکر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ: تمام ذکروں سے افضل لا الہ الا اللہ ہے۔ پھر اس کے بعد اسم ذات میں مشغول ہونا ہے یعنی اللہ اللہ۔ یہ ذکر اس کا سرشار ہے۔ اور ذکر کا مقصود دھتہا بھی ہے۔ جب تمہارے قلب میں اس ذات کے سوا کوئی نہ رہے تو پھر بھی اسم اعظم ہے۔ اللہ کے ساتھ مشغولی کی کثرت کرو کہ یہ چیز گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ اور نبی صلا پر درود پڑھو کہ یہ اس دنیا میں نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ کے ذکر میں نال طول، تاخیر اور وقت مقررہ سے آگے بچھے ہونا زیب نہیں دیتا۔ یہ سب شیطانی اعمال ہیں۔ بیماری اور معرولیت کا بہانہ مت کرو۔ صحت اور فرصت کا انتظار باطل ہے۔ یہ بہانہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

میں تمہیں اللہ کی بارگاہ میں ہر روز، ہر رات بلکہ ہر گھڑی تمام گناہوں سے توبہ مستغفار کرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے دور گزار فرماتا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ ارادہ مضبوط کرو اور گناہ کی طرف کبھی نہ پلٹو۔ ہمیشہ اپنے قصور کا اعتراف کرو تا کہ تمہاری طرف سے توبہ کی صداقت سمجھ ہو جائے۔ جو شخص گناہ سے توبہ کرے مگر ابھی تک گناہ پر ہند ہوا گناہ کی طرف لوٹنے کا عزم رکھتا ہے اس کی کوئی توبہ نہیں ہے۔

میں تمہیں چھوٹے اور بڑے تمام گناہوں سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔ چھوٹے گناہوں کو اتنے سمجھ کر ان کا ارتکاب کبھی نہ کرنا۔ قصوذاز ہر بھی اسی طرح قاتل ہے جس طرح زیادہ زہر قاتل ہوتا ہے۔ قطرے قطرے سے ہارش بنتی ہے۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے بارے میں اپنے دلوں کو بغض اور حسد، رنجش اور کھوٹ سے صاف رکھو اور مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی اور ان کے سامنے ٹکھڑے بچے۔ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان لعین نے ٹکھڑا کیا تھا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے۔ وہ کیسے ٹکھڑا کر سکتا ہے جو ایک گرا ہوا نطفہ ہے اور جلد ہی اس نے ایک مردار اور گندگی بن جاتا ہے۔

دنیا کی محبت سے بچنے کے رہو، یہ ساری خطاؤں کی سردار ہے اور ہر گناہ اور مصیبت کی بنیاد ہے۔

میں تمہیں تمام عبادات میں رہا کاری کو ترک کرنے کی وصیت کرتا ہوں یہ سب سے بڑی مصیبت اور بلا ہے اور تمام اعمال اور طاعات کو برباد کر دیتی ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس عمومی مصیبت سے بچے ہوئے ہیں۔ بے شک شیطان انسانی جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

جھوٹ، نصیبت، جھگڑا، بہتان بلکہ ہر ایسی چیز سے اپنی زبان کی حفاظت کرو جو رحمان جل شانہ سے حجاب بنتی ہے۔ اپنی زبانوں کو قرآن کی تلاوت یا اللہ تعالیٰ کے ذکر یا مسلمانوں کی بھلائی یا نیکی کے حکم یا برائی سے ممانعت یا دنیا اور دین کی ضروریات کے علاوہ حرکت مت دو۔ سید الاولین وال آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا پھر خاموش رہے، اس بات کو مضبوطی سے اور امانت کی طرح پکڑ لو۔

جہاں تک ہو سکے ہمیشہ یاد رکھو اور غیبت کے وقت تازہ وضو کرو۔ یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ تھوڑا کھانا زیادہ کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے اور من جل شانہ کی عبادت کرنے میں اعضاء کو بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ: تیسرا حصہ طعام کے لیے، تیسرا حصہ پانی کے لیے اور تیسرا حصہ سانس کے لیے۔

اے بھائیو! اللہ کے سوا ہر چیز سے منہ موڑ لو اور ہر اس عمل سے بچ جاؤ جو اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو، پانچ وقت کی نماز کی پابندی کرو۔ قیام، تلاوت، رکوع، سجود اور تمام ارکان نماز کو صحیح سنن و مستحبات کمال خشوع اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضور قلب اور عاجزی کے ساتھ ادا کرو۔ کہا گیا ہے کہ اس کی عبادت اگر حضور قلب سے نہ کی جائے تو وہ محض رائج کاں ہے۔ نماز باجماعت کی پابندی کرو، اسے ترک کرنا جانوں کا کام ہے۔ جماعت اور نماز واجب ہے اور یہ طوائف اعلام کے صحیح قول کے مطابق اسلام کے واجبات میں سے ہے۔ روزانہ چاشت کی نماز، تہجد اور اشراق کی نماز، تمام عبادات اور گناہوں اور شہوت سے نفس کو روکنا اور صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب



نیک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک کے دنوں و قوتوں میں خوب اذکار کرنا قلم پر لازم ہے۔ ان دنوں و قوتوں میں اللہ تعالیٰ دنوں پر امداد و بہا دیتا ہے اور یہ رزق مرغوب کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ان دنوں و قوتوں کو تسبیح، استغفار اور اذکار سے بھر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: صبح شام اپنے رب کی تسبیح اور حمد کرو۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ کبھی بغض نہ رکھنا، کبھی لوگوں کو القاب نہ دینا، کبھی حسد نہ کرنا اور اسے اللہ کے بند بھائی بھائی بن جاؤ۔ سچا مرید کبھی جھوٹ نہیں بولتا، کبھی کسی کو نہیں ڈراتا، بغیل نہیں ہوتا، بزدل نہیں ہوتا، لاش نہیں ہوتا، کالیاں نہیں دیتا بلکہ انکی عادت یہ ہوتی ہے کہ اگر مل جاتا ہے تو شکر کرتا ہے اور اگر نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے اگر ظلم کر بیٹھے تو توبہ استغفار کرتا ہے، اگر کوئی دوسرا اس پر ظلم کرے تو درگزر کرتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اذیت دینے والے کو اذیت نہیں دیتا، مظالم پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ اس کلمہ کی طرح ہوتا ہے جسے لوگ پتھر مارتے ہیں اور وہ بکھوڑی ہو جاتی ہے۔ وہ زمین کی طرح ہوتا ہے جس پر ہر طرح کی گند کی بھنگی جاتی ہے مگر وہ جھاب نہیں دیتی، بوجھاٹھاتا اور اسے چھالینا پسند کرتی ہے، ظاہر کرتا اور مشہور ہی پسند نہیں کرتی۔ کہا گیا ہے کہ: مرید اس وقت تک مرید نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں سے بے نیاز ہو کر مولا سے نہ لگ جائے۔ اس کے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہیں۔ مرید وہ ہے جو حدود کی حفاظت کرے۔ دھڑوں کی دعا کرے، جو موجود ہے اسی پر راضی رہے اور جو پاس نہیں اس پر صبر کرے۔ مرید وہ ہے جو نعمتوں پر شکر کرے اور بلاؤں پر صبر کرے، تقاضا پر راضی رہے، غوثی اور غم میں اپنے رب کی حمد کرے، تنہائی میں بھی اور سرمخمل میں اسی کے لیے خالص رہے، انکی زبان ہر وقت غیر حلقہ ہات سے خاموش رہے، اسکا دل اپنے رب کی اطاعت میں کی پر غفلتیں رہے، دین میں ملامت نہ کرے، رب العالمین کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی نہ کرتا پھرے، تنہائی اور انفراد کو پسند کرے، لوگوں سے ملنے بٹنے سے وحشت کھائے، حمیدی رحمت اللہ علیہ نے جامع صحیحین میں فرمایا ہے۔ شعر:

لقاء الناس ليس بغير شيناً سوى الاكثار من قيل وقال

فقلقل من لقاء الناس الا لاخذ العلم او اصلاح حال

لوگوں سے ملاقات محض کپ شپ کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتی لوگوں سے ملنا کلم کر دے سوائے علم حاصل کرنے کے یا حال کی اصلاح کرنے کے۔

خوش بخت ہے وہ شخص جسکی صحت اپنے سوا کی رضا کی طرف لگی ہوئی ہے اور اس کی حرص اور فہم اپنے رسول مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کی طرف ہے اور وہ اپنے تمام احوال میں انہی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور انہی کے اخلاق و افعال و اقوال کو اپناتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے تمہیں منع کرے اس سے باز رہو۔ اے اللہ ہمیں ان تمام معاملات میں محبوب کی کمال متابعت عطا فرما، ہمیں اسی پر زعمہ رکھو اور اسی پر موت دے آمین۔

میں تمہیں جاہل لوگوں میں سے تم پر ظلم کرنے والوں سے دور گزر کرنے اور علم و بردباری کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مدح فرمائی ہے کہ: غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے دور گزر کرنے والے اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

غصے سے بچو، غصہ شیطان کی طرف سے ہے، رحم کرنا تم پر لازم ہے، رحم رحمن جل اسرہ کی طرف سے ہے، اچھے اخلاق تم پر لازم ہیں، اس سے انسان روزے دار اور رات کو قیام کرنے والے کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ صاف گوئی سے کام لو اور لذتوں سے پرہیز کرو، خواہ حق حلال ہی کیوں نہ ہو۔ بے لک اس کو ترک کرنے والے کو جنت کی بشارت دی جاتی ہے جس میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ عاجزی سے کام لو، یہ کامل ترین خلقت ہے۔ راستوں میں بیٹھنے سے بچو، اس لیے کہ اس میں وبال ہے، ہمیشہ اچھے ساتھی کی صحبت میں بیٹھو، اس کی مثال ایسے ہے جس طرح کستوری اور صندل والا ہو۔ برے آدمی کی صحبت سے بچو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوکلوں والا، مراحب کی پہچان کرو، بلند بھی اور پست بھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق بیٹھو آؤ۔ سائے اور دھوپ کے درمیان مت بیٹھو اور ایسی جگہ پر نہیں مت کرو۔ حلقے کے درمیان مت بیٹھو۔ یہ بھی شیطان کے بیٹھنے کی ہیں۔ اپنے بھائی سے تمہیں دن سے زیادہ ناراض مت رہو، سوائے اللہ کے دین کی خاطر۔ جس نے مسلمان کی پردہ پوشی

کی اللہ تعالیٰ آخرت اور دنیا میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ سہائی کو اختیار کرو۔ جس نے سچ بولا نہایت پاکیا۔ جھوٹ سے بچو۔ جس نے جھوٹ بولا وہ گرفت میں آ گیا۔ اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض کو اختیار کرو، یہ ایمان کا حصہ ہے۔ قبیضوں، مسکینوں اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھو اور اذیت دینے والی چیز کو راستے سے ہٹا دو، یہ صدقہ ہے۔ گھروں میں غینہ کے وقت آگ کو جلا مت چھوڑو، یہ بھی صدقہ ہے۔ بادشاہوں کی مجلس سے بچو اور ان کے پاس مت جاؤ کرو، یہ فخر و اہم کی بے عزتی ہے۔ علمی مسائل میں جلدی مت کرو، چھوٹوں پر رحم کرو، بڑوں کا احترام کرو، مظلوم کی مدد کرو۔ جب کوئی بازاری اور عامی آدمی تمہارے مقابلے پر آئے تو اس سے ٹھکرا مت کرو، اس سے انسان کا رعب اور حشمت ختم ہوتی ہے۔ ان لوگوں میں سے ہو جاؤ کہ جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو سلام کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ زیادہ ہنسنے سے بچو، اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ دین میں چال بازی سے بچو، اس سے رب ناراض ہوتا ہے۔ ہر نماز کے بعد کچھ دیر اڈا کرو اور ادب میں مصروف رہو۔ ہر ماہ کچھ دنوں کے روزے رکھو۔ لوگوں کے صیب تلاش مت کرو بلکہ ان کی غریبیاں تلاش کرو۔ موت اور قیامت کو یاد کرو، قبروں کی زیارت کرو، اس سے بھلائی یاد رہتی ہے اور شرارتیں بھول جاتی ہیں۔ نیکی کرنے میں جلدی کرو، اہل بدعت کے پاس بیٹھنے سے بچو، کسی سے لالچی مت رکھو۔ دل کو غمگین نہ رکھو، یہ مومنوں کا سرمایہ ہے، لہذا یہ سرمایہ جمع کرلو۔

میں تمہیں اپنی بھلائی اور مومنوں کی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ میرا یہ کلام دین کے تمام چلوؤں کے بارے میں برابر نہیں ہے، لہذا میں تمہیں ایسی وصیت کرتا ہوں جو ہر بھلائی کی جامع ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو جو مضبوط رہی ہے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پابندی کرو۔

پھر میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے اپنی پیاری دعاؤں میں یاد رکھنا، میری اس نصیحت کو قبول کرنا۔

اے اللہ ہمیں اپنے حسن کے دیدار کی لذت عطا فرما۔ اے اللہ ہمیں حق کو حق کر کے دکھا اور اسکے اتمام کی توفیق دے اور ہمیں باطل کو باطل کر کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق

وے۔

اے اللہ ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے اور ہمیں صالحین کے ساتھ ملا دے، ہم پر سے ظالموں کا شر ہٹا دے اور ہمیں مومنوں کی دعاؤں میں شامل کر دے اور ہمیں غافلوں کی غند سے بیدار کر دے، اور ہمیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما، اور ہمیں سلامتی اور امن کے ساتھ جنت میں داخل کر دے۔ اے اللہ اے پوشیدہ لطف و کرم والے، اس چیز سے بچالے جس کا ہمیں ڈر ہے۔ اے اللہ اے اپنا ارادہ پورا کرنے والے ہمیں اپنے فضل سے وہ عطا فرما جو ہم مانگتے ہیں آمین، آمین، آمین

والحمد لله رب العالمین لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

وصلی اللہ علی رسولہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ وسلم آمین آمین

الہی عبدک العاصی اتاکا مغر اب الذلوب وقد دعا کا

فان تطرفا لت اهل لذا کا وان تطرد فمن یرحم سوا کا

تجاوز عن ضعیف قد جفا کا فجاو عنک تاہا یو جور ضا کا

ترجمہ:

اے اللہ حیرا گناہ گار بندہ حیرے پاس حاضر ہوا ہے، گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے تجھے پکار رہا ہے، اگر تو بخش دے، تو تو اس کا اہل ہے، اور اگر تو دھکا دے، تو حیرے سوا کون رحم کرے گا، اس کمزور سے مدد کر دے جس نے حیرے ساتھ بے وفائی کی، اب حیرے پاس تو پہنچ کر رہا ہے، حیرے رضا کا امیدوار ہے، اے نگہبان حیرے پاس تا فرمان پال آفرینگی کیا ہے۔

الہی ہر آنکس کو این خطا نوشت منو کن گناہش عطا کن بہشت

الہی تو آسان کنی مشکلات طفیل محمد علیہ الصلوٰۃ

اے اللہ جس شخص نے بھی اس خط کو لکھا، اس کے گناہ معاف کر دے اور بہشت عطا کر دے، الہی تو مشکلات کو آسان فرما، پتہ حبیب محمد ﷺ کے طفیل۔

## مکتوب سلطان الہند

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے دلی حب، میرے قلبی دوست، میرے بھائی قطب الدین دہلوی اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں کی سعادت عطا فرمائے۔

بندہ مسکین معین الدین کی طرف سے سلام مسنون کے بعد واضح دلائل ہو کہ جو اسرار الہی کے چند ایک نکات میں نگہ رہا ہوں یا اپنے سچے سریدوں اور حق کے طالبوں کو سکھا دیتا۔ تاکہ وہ غلطی میں نہ پڑیں۔

عزیز من اجس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ہے وہ کبھی سوال یا خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ جس نے ابھی تک نہیں پہچانا وہ اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرا یہ کہ جس وہو اکوترک کرو۔ جس نے جس وہو اکوترک کیا اس نے مقصود حاصل کر لیا۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے تو نہیں النفس عن الہوی فان الجنة فی العاوی یعنی وہ شخص جس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روک رکھا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے (پارہ ۳۰ آیت ۴)۔

جس دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے پھیر دیا ہے اسے کثرت ثبوت کے کفن میں لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا ہے۔

ایک روز سلطان العارفین خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے ایک رات اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔ بایزید کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا جو تو چاہتا ہے، خطاب ہوا کیا چاہا جس طرح تو میرا سہا ہی طرح میں حیرا ہوں۔

ہر کہ گردن خند رضا اورا مرقی اورا نگہبان باشد

ترجمہ:- جو شخص اسکی رضا میں گردن جھکا دیتا ہے تو حق تعالیٰ بطور خاص اسکا نگہبان ہو جاتا ہے۔

پس اگر تصوف کی ماہیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو ساقی کا دروازہ بند کر دو۔ پھر زانوئے محبت کے تلے بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے یہ کام کر لیا تو جھوک بس تصوف کے عالم ہو گئے۔ طالب حق کو یہ بات جان دول سے بہالانی چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے وہ شر شیطانی سے نجات پائے گا۔ اور دونوں جہان کی مرادیں حاصل کرے گا۔

ایک روز میرے شیخ کریم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: معین الدین! کیا تجھے معلوم ہے کہ صاحب حضور کسے کہتے ہیں؟ دیکھو صاحب حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقام عبودیت میں ہوا اور ہر ایک واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے اور تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے۔ جسے یہ حاصل ہے وہ جہان کا بادشاہ ہے بلکہ جہان کا بادشاہ اس کا محتاج ہے۔

ایک روز میرے شیخ نے مجھے خطاب فرمایا: بعض درویش جو کہتے ہیں کہ جب طالب کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے گھبراہٹ نہیں رہتی، یہ غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کہتے ہیں کہ عبادت کرنا بھی اس کے لیے ضروری نہیں ہوتا، یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جناب سرور کائنات ﷺ ہمیشہ عبادت، بندگی اور عبودیت میں سر بہبود ہے۔ باوجود کمال زندگی کے آخر پر فرمایا کرتے تھے کہ ما عبادناک حتی عبادناک (ہم نے حیرتی ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ عبادت کا حق تھا) یعنی کما حقہ حیرتی عبادت نہیں کر سکے، اور نہایت عاجزی سے درود بان تھا اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد اعبدہ و رسولہ یعنی میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کا بندہ اور بھیجا ہوا ہے۔

پس چھین جانو کہ جب عارف کمال کا درجہ حاصل کرتا ہے تو اس وقت کمال درجہ کی ریاضت جس سے مراد نماز ہے۔ نہایت صدق دل سے ادا کرتا ہے۔ اسی سے حضوری و آگاہی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ انھیں انھیں معراج بھی نماز ہے۔ جب کوئی شخص یہ جان لینے کے بعد صدق سے کام لیتا ہے تو اسے ایسی پیاس محسوس ہوتی ہے گویا اس نے آگ کے کئی پیالے پی رکھے ہوں۔ جوں جوں ایسے پیالے پیے گا پیاس غلبہ کرتی جائے گی۔ اس واسطے کہ بحال لاغیاہی کی انتہا نہیں۔ اس وقت اس کا سکون بے سکونی اور آرام بے آراہی ہو جاتی ہے۔ تاہم غلبہ لگائے

الحی سے مشرف نہ ہو جائے۔ والسلام

☆.....☆

## الوصیۃ

(حضرت شیخ اکبر نجی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا وصیت نامہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرا اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کا افضل ترین پیغام لا الہ الا اللہ ہے۔ کسی عمل کو خیر سمجھ کے نہ چھوڑ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کرتے اور واجب قرار دیتے وقت خیر نہیں جانا۔ اس نے ہر کام کا حکم کسی نہ کسی حکمت و مصلحت کی بناء پر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں خیر امر جب عظیم ہے اس کے باوجود اس نے تجھے احکام کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ گویا تو اس کے احکام کی رہائش گاہ ہے۔

نبی کریم ﷺ حراج کی باتیں بھی فرماتے تھے لیکن حق کے سوا کچھ نہ بولتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اپنی زبان و دلازی کی وجہ سے ناک کے ثل گرانے جا میں گئے۔ بعض حکماء فرماتے ہیں کہ کوئی چیز زبان سے زیادہ قید کی حقدار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دو ہونٹوں اور پھر دانتوں کے درمیان پابند کیا ہے، یہ پھر بھی اور وارے توڑ دیتی ہے اور فضول کہنے لگتی ہے۔

مریضوں کی عیادت کیا کر۔ اس لئے کہ اس سے صبر حاصل ہوتی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ اپنے بندے کے پاس ہوتا ہے۔ تم نے محسوس کیا ہوگا کہ مریض کو حالت مرض میں اللہ کے سوا کوئی مددگار نظر نہیں آتا۔ اور اللہ کو یاد کرنے کے سوا ما سے کچھ سوجھتا نہیں۔ اس وقت وہ اپنے منہ سے حق کی کائنات ہے۔ اس کا دل اسی کی طرف جھکتا اور التجا کرتا ہے۔ مریض ہمیشہ اللہ کے ساتھ اور اسی کی حضوری میں ہوتا ہے۔

مانگنے والے کو کھانا بھی کھلا اور پانی بھی پلا۔ مانگنے والا تجھے شان خداوندی عطا کر دیا ہے۔ وہ خدا جو اپنے بندوں کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ اللہ نے تجھے اپنے مال و دولت پر غلیظ مقرر کر کے اس میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا سوائی کو خالی ہاتھ واپس نہ کر۔ اور کچھ

نہیں تو اس سے ایک میٹھا بول ہی بول دے یا نکتہ پیشانی سے پیش آ۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے جب کوئی سوالی سوال کرتا تو خیرات لے کر اس کی طرف بھاگ پڑتے اور فرماتے کہ میرا سامان سزا آخرت تک اٹھا کر لے جانے والے! خوش آمدید۔ خدا کی قسم خوش آمدید۔

لوگوں پر ظلم کرنے سے بچ۔ ظلم قیامت کے دن ظلمات ہوگا۔ بندوں پر ظلم سے مراد یہ ہے کہ تو ان کا وہ حق ادا نہ کرے جو اللہ نے تجھ پر واجب کیا ہے۔ کسی قسم کے سائل کو انکار نہ کر۔ ہوگا کھانے کا سوال کرے گا اور ہٹکا ہوا ہدایت کا سوال لے کر آئے گا۔

جب تو کسی عالم کو بے عمل دیکھے تو اسے علم پر خود عمل کرنا شروع کر دے تاکہ اس علم کا حق ادا ہوا اور وہ رانجگاہ نہ جائے۔ اور اس عالم پر تنقید نہ کر۔ اس لئے کہ عالم کا درجہ اللہ کو ہی معلوم ہے۔ جمل اختیار کر یہ ارشاد باری تعالیٰ (عز و جلال) کی وجہ سے بذات خود ایک مہادت ہے۔ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ میرے جوتے اور میرے کپڑے خوبصورت ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سب سے زیادہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے سامنے بن سنو کر حاضر ہوا جائے۔

اللہ تجھ سے بکولے یا تجھے بکودے اس ہمارے میں گہری غور فکر سے کام لیا کر۔ جب وہ تجھ سے بکھ لیتا ہے تو اس لئے لیتا ہے کہ تو صبر کرے۔ اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اس نے تجھ سے وہی معاملہ کیا جو ایک عیب اپنے محبوب سے کرتا ہے۔ نیز جو بھی چیز تجھ سے چھین گئی اس کا عوض تجھے ضرور ملے گا۔ لیکن ایک اللہ کی ذات اسکا ہے جس کا عوض نہیں مل سکتا۔

لنکل شئنا اذا فارقتہ عوض

ولیس اللہ ان فارقت من عوض

ترجمہ:- تجھ سے جو چیز بھی چھین گئی اس کا عوض موجود ہے لیکن اگر اللہ روٹھ گیا تو اس کا عوض نہیں ہے۔

یہی معاملہ اس کی عطا کا بھی ہے۔ نقصان پر صبر بھی تو اسی کی عطا ہے۔ اب عطا پر تو شکر



کرے گا تو یہ بھی اللہ کی طرف سے محبت کا اظہار ہے۔ اس لئے کہ وہ شکر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ یا رب! تیرے شکر کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے؟ فرمایا جب توفیق کو خاص میری جانب سے کہے تو یہی شکر بخینے کا حق ہے۔

اللہ کا سب سے بڑا حق ادا کر۔ یعنی کسی کو اس کا شریک نہ بنا۔ شرک مخفی یہ ہے کہ انسان ظاہری اسباب پر اعتماد کرے اور ان کی طرف دل کو جھکانے لگے۔ یہ چیز مومن کو سب سے زیادہ الجھاتی ہے۔ آیت کریمہ: وَمَا يَوْمِنُ إِلَّا اللَّهُ وَالْآلَاءُ مِنْهُ مَشْرُوكُونَ سے یہی مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ اس شرک میں شرک مخفی اور شرک مجلی دونوں شامل ہیں۔ شرک مجلی سے تو انسان اسلام سے ہی نکل جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ جب بندے شرک نہ کریں تو ان کا حق اللہ پر کیا ہے؟ وہ حق یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔

شرک مخفی کا عذاب یہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ اسباب اسے فقر سے بچالیں گے۔ اسباب کی موجودگی میں اسے یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں اسباب بھن نہ جائیں۔ یہ ڈر ہی عذاب ہے۔ اگر اسباب بھن جائیں تو یہ بھن جانے کا غم اس کے لئے عذاب بننا رہتا ہے۔ اس طرح یہ عذاب دائمی طور پر جاری رہتا ہے۔ اگر لوگ اسباب کا شرک نہ کریں تو آرام میں رہیں اور اسباب کے بھن جانے سے اطمینان رہے۔

زمین پر پھنسی کی خواہش مست کر۔ اسکی خواہش دراصل ہادشاہی کی خواہش ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز قیامت کے دن حسرت و عداوت کا باعث ہوگی۔ گناہی اعتبار کر۔ اللہ سے ذلیل و مسکین بن کر غشوع و غشوع کے ساتھ مانگ۔ جو شخص تیرے فائدے کے لئے تجھے نصیحت کرے اسے اللہ کا قاصد سمجھا اور اس پر اللہ کا شکر ادا کر۔ اس شخص کی طرح بن جس نے ظلم سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ اس کی طرح نہ بن جس نے ظلم تو سیکھا مگر عمل نہ کیا۔ عالم بے عمل ایسے ہی ہے جیسے چراغ۔ وہ لوگوں کو نور فراہم کرتا ہے مگر خود آگ میں جلتا ہے۔ اہل ایمان کو محبت فراہم

کر۔ مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جس کا ایک عضو یا رپڑ تا ہے تو سارا جسم چٹخ اٹھتا ہے۔  
نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اچھے ساتھی کی مثال عطر والے کی سی ہے۔ اگر تجھ تک عطر نہ  
پہنچا تو اس کی خوشبو ضرور پہنچ جائے گی اور برے ہم نشین کی مثال کونکوں کے دو کا عطر کی سی ہے۔  
اگر تجھ تک کونکوں کے شعلے نہ پہنچیں تو ان کا دھواں ضرور پہنچ جائے گا۔

تو اپنے ماتحتوں پر اللہ کی حدود نافذ کر۔ تجھ سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔  
تیرا چھوٹے سے چھوٹا ماتحت تیرا اپنا نفس ہے۔ اس پر اللہ کی حدود ہماری کر۔ اگر تیرے خیال میں  
اچھائی وارد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اچھائی سے رکھنے کا خیال آئے تو یہ شیطان کی طرف  
سے ہے۔ اچھائی وہ ہے جسے شریعت نے اچھائی کہا ہو۔ اور شر وہ ہے جسے شریعت نے شر کہا ہو۔  
خیر و شر کی یہی پہچان ہے۔ اب تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ کی حدود نافذ کرنے کے لئے شریعت کا  
علم کتنا ضروری ہے۔

وضو اچھی طرح کیا کر۔ خاص طور پر سردی کے موسم میں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ  
میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ خطا میں معاف کر دے اور درجات بلند کر دے؟ وہ چیز  
دل نہ جانے کے باوجود وضو کرنا ہے۔ ہر جگہ کو غسل ضرور کیا کر۔ ہنڈ میں کم از کم ایک بار غسل کرنا  
بدن کی طہارت اور رب کی رضا کا موجب ہے۔ یعنی یہ ایسا غسل ہے کہ اللہ نے اپنے بندے کو اس  
کا تحم دیا، بندے نے وہ کام کر دکھایا جس کے نتیجے میں اللہ اس سے راضی ہوا۔ فرض نماز  
باجماعت پابندی سے ادا کر۔ جماعت کا مقصد دراصل دین کو قائم کرنے کی خاطر اجتماع ہے۔  
تہجد کی کوشش کر۔ رات کے پہلے جیسے میں سو جا بھر جاگ کر تہجد پڑھ۔ بھر سو جا بھر دو بارہ نماز کے  
لئے اٹھ جا اور صبح تک جا بھر رہ۔

ایمان راہویہ نے یہاں تک کہا ہے کہ جس نے تین تسبیحات صحیح ادا نہ کیں انکی نمازی نہیں  
ہوئی لہذا جہاں تک ہو سکے ایسا رویہ اختیار کر جس سے تمام بزرگوں کے اقوال پر عمل ہو سکے۔

جہاد اکبر کو اپنے اوپر لازم کر لے۔ جہاد اکبر سے مراد اپنی خواہشات کے خلاف جہاد  
ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (قاتلو الذین یلو نکم من الکفار۔ یعنی ان کفار کو قتل کرو جو تمہارے

مقابلے پر آئیں۔ اور حیرانفس سب سے بڑا کافر ہے۔ نفس اللہ کی نعمتوں کا کفر کرتا ہے۔ جب تو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے گا تو یہی خالص جہاد اکبر ہے۔ اگر تو اس جہاد میں مارا گیا تو ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جو اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔ انہیں رزق ملتا ہے اور وہ اللہ کے فضل و عطا پر خوش و خرم ہیں۔ بندہ زندگی بھر جہاد اکبر کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے کہ نفس ہمیشہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی پر بھند ہے اور سولہ صد خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ خواہشات کی یہ پیروی حق کے مقابلے میں ارادہ اور عقل اعلازی ہے۔ اور یہ اللہ کی شان ہے کہ جس کام کا ارادہ کرے اسے کر ڈالے۔ اس کے برعکس نفس کے خلاف جہاد کرنے والا انسان اپنی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ چھوڑ دیتا ہے۔

تمام پڑوسیوں کے حقوق اچھی طرح ادا کر۔ جتنا قریب کا پڑوسی ہوگا اتنا ہی اس کا حق زیادہ ہوگا۔ اللہ کی حقوق میں سے کسی کو تخریمت سمجھو۔ اللہ نے کسی چیز کو پیدا کرتے وقت تخریم نہیں سمجھا۔ ہم نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک فخریہ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے اسے حقارت سے نہیں دیکھا اور بڑے آرام سے گزر جانے کو کہا۔ اس پر لوگوں نے حیران ہو کر آپ سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا میں اپنی زبان کو اچھے الفاظ کے لئے ہی استعمال کرتا چاہتا ہوں۔

شاعر کہتا ہے۔

انما الناس حدیث بعدہم      فلنکن غیر حدیث بسمع  
واذا شکک منہم شوکة      فلنکن اقوی منہم بدفع  
واذا ما کنت فیہم حکذا      الت واللہ ما ینفع

ترجمہ:

(۱)۔ لوگ چلے جاتے ہیں اور ان کی باتیں رہ جاتی ہیں۔ تو لوگوں کے لئے اچھی داستان چھوڑ کر جا۔

(۲)۔ اگر تجھے لوگوں سے کوئی تکلیف پہنچے تو ایک مضبوط ترین و حال کی طرح اپنی جان پر ہے جا۔

(۳)۔ اگر تو اس طریقے سے ان میں رہنے لگا تو بھرا اللہ کی قسم تو ہی فیض یاب کرنے والا امام ہے۔

غور اور شغفی سے بیچ اپنی تہ بند یا شلوہ کو مٹھنے سے اونچا یا آدمی پڑی تک رکھ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سو سن کا تہ بند اس کی آدمی پڑی تک اونچا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مختصر کپڑے میں بھاہ ہے یہی تقویٰ ہے اور اسی میں پاکیزگی ہے۔ "سادگی اختیار کر۔ پیایمان کا حصہ ہے۔ سادگی دنیا میں بیش و عشرت سے بچنے کا نام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ سے ڈرو اور لباس سمیٹ کر رکھو۔ یہ حاجیوں اور اہل قیامت کی صفات میں سے ہے کہ ان کے بال بکھرے اور غبار آلود، پاؤں نکلے اور لباس مختصر ہے۔ اس چیز سے تکبر، عجب، مغروری، شغفی اور بے نیکی ہوجاتی ہے۔ بلاشبہ یہ چیزیں سو سن کی صلاح میں رکاوٹ ڈالتی ہیں اور یہ رکاوٹ سادگی سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سادگی کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔

حیاء کو اختیار کر۔ خود اللہ بھی صاحب حیاء ہے۔ اللہ سے حیاء کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام اللہ کو پسند نہ ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔

لوگوں کو نصیحت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "دین نام ہی نصیحت کا ہے" اللہ کے دین میں نصیحت کرنے والا وہ ہے جو لوگوں کی کامیابی اور سعادت کے راستے پر گامزن رہے۔ اس کام کے لئے زبردست علم، صحیح عقل و فکر، بہترین صواب دید اور معتدل مزاجی کی ضرورت ہے۔ ہر بندہ اس کا اہل نہیں ہوا کرتا۔

کھانے اور پینے کی طرح گفتگو کرنے میں بھی ورع اختیار کر۔ حرام اور حکب و شبہ والی چیزوں سے بچنے کا نام ورع ہے۔ جلد بازی سے بیچ۔ ہاں البتہ جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں جلدی کرنا درست ہے۔ جیسے نماز اول وقت میں پڑھنا، مہمان کی خدمت، میت کی تدفین،

رشتہ ملتے ہی شادی کر لیتا اور تمام اعمال جبراً طرٹ کے لئے ہوں۔

رشتہ داروں سے اچھا سلوک کر۔ اللہ کے ہاں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ جڑ ہمارا  
رشتہ اللہ سے جوڑتی ہے۔ جس نے رشتے کو جوڑا اللہ نے اس کو جوڑ دیا اور وصل نصیب کر دیا اور  
جس نے رشتے کو کاٹا اللہ نے اسے کاٹ ڈالا۔

جس طرح تو اللہ کا محتاج ہے اسی طرح اللہ سے محتاج ہو جا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ  
نے فرمایا:

اللھم الی اعوذ بک عنک اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔  
”اللہ سے محتاج“ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تجھ سے خدائی کی یونگ نہ آئے بلکہ تو  
محض بندہ ہو کر رہ جائے۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اللہ میں بندگی کا شائبہ تک پایا جائے۔ وہ محض  
رب ہے اسی طرح تو محض بندہ ہے۔

پیٹ بھر کر کھانا مت کھا۔ اس سے عقل و ذہانت برباد ہو جاتی ہے۔ زعفران کے  
لے کھا۔ اور اپنے رب کی اطاعت کے لیے زعفران نہ کھانے کے لیے زعفران نہ رو اور مونا ہونے  
کے لیے مت کھا۔

تو جس کی صحبت میں بیٹھے یا جو تیری صحبت میں بیٹھے، اس کے رہنے کے مطابق اس کا  
حق ادا کر۔ اللہ سے تو نے جو رویت کا اقرار کر کے وعدہ کیا تھا اسے وفا کر کے اس کا حق ادا کر۔  
رسولوں کی اقتداء کر کے ان کا حق ادا کر۔ طہارت اور پاکیزگی اختیار کر کے فرشتوں کا حق ادا کر۔  
اسی کے حلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی! کھانا چھین چیز سے شروع کر اور چھین پر ختم کر۔  
تک ستر چار یوں کا طلاق ہے۔ ان میں جنون، جذام، برص، دانتوں کا درد اور پیٹ کا درد شامل  
ہیں۔ اے علی! جب تو گھر میں داخل ہو تو یہ پڑھا کر۔

بسم اللہ و یا اللہ اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمداً عبداً و رسولہ

ترجمہ: اللہ کے نام سے اللہ کی ہر اشی میں داخل ہوتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ  
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اگر ایسا پڑھا جائے تو اللہ فرماتا ہے کہ میرا بندہ ذکر میں مصروف ہے جب کہ لوگ غافل ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد سے وصیت کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میرے بیٹے! وہاں رو بند کر دے اور اسباب سے منہ موڑ لے۔ اور اس وہاب محل شانہ سے لو لگا لے۔ وہ براہ راست حیر اور اسٹال لے گا۔ کسی اور نے عرض کیا۔ کون سا بھائی آنکھ زیادہ پسند ہے۔ فرمایا۔ جو میری خطا سے درگزر کرے، مجھے تنہا چھوڑ دے اور میری مدد قبول کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے وحی کی اور فرمایا۔ اس تنہا پر بندے کی طرح بن جا۔ جو درختوں کی چوٹیوں سے کھاتا ہے، جھیلوں سے پانی پیتا ہے اور جب دات چھا جائے تو کسی فادی میں جا چھتا ہے۔ تنہائی میں مجھ سے انس رکھتا ہے اور میرے مافرانوں سے اسے وحشت ہوتی ہے۔ جس شخص نے اپنا ہاٹن درست کر لیا اللہ اس کا ظاہر درست کر دے گا۔ جس نے اپنی آخرت سنواری لی اللہ اس کی دنیا سنوار دے گا۔ جس نے اللہ سے اپنا معاملہ سمجھ کر لیا اللہ اس کا لوگوں کے ساتھ معاملہ خود بخود سمجھ کر دے گا۔

ابو حازم امروہ سے کسی نے پوچھا۔ بابائی! آپ کس حال میں ہیں؟ فرمایا اللہ کی رضا میں ہوں اور لوگوں سے بے نیاز ہوں۔

ہارون الرشید نے قسم توڑنے کے کفارے کے طور پر پیدل حج کیا۔ راستے میں وہ ایک جھاڑی کے سائے میں آرام کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ وہاں سے پہلول کا گزر ہوا۔ اس نے یہ سناں دیکھ کر کہا۔

هَب الدنیا والیہکا ایس الموت والیہکا

الایا طالب الدنیا دمع الدنیا لشابک

الی کم تطلب الدنیا وظل العیل یکفیک

- (۱)۔ دنیا کو آخرت پر چھوڑ دے۔ کیا تجھے موت نہیں آئے گی؟  
 (۲)۔ اسے دنیا طلب کرنے والے دنیا کو اپنے اصل مشن کی خاطر ترک کر دے۔  
 (۳)۔ تو کہاں تک دنیا طلب کرتا رہے گا۔ تیرے لئے تو جہاڑی کا سایہ ہی کافی ہے۔  
 جو ہدایت کی راہ پر چلا اس نے اپنے کو ہر مقصود کو پایا۔

تمت الوصیۃ

و صلی اللہ الہادی الحق علی حبیبہ الہادی المبین محمد

و آلمو عترتہ بعدد کل معلوم لہ

\*\*\*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## خلاصہ فتوح الغیب

(غوث اعظم و قطب الاقطاب سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاقدس)

☆۔ مقالہ نمبر 1۔ مومن کے لیے اولیٰ درجہ یہ ہے کہ شریعت کے اوامر پر عمل کرے، نواہی سے بچے اور تقویٰ پر راضی رہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 2۔ سنت پر چلو۔ مصائب میں ثابت قدم رہو۔ دوبارہ دعا دعویٰ سے نہ بھرو۔ گناہوں کی معافی مانگتے رہو۔ بااخلاق رہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 3۔ مصائب و بلائیں جن کا عمل شائسان کے اپنے بس میں ہو اور نہ لوگوں کے بس میں، انقطاع الی اللہ یعنی ہر چیز سے کٹ کر اللہ کا ہونے کا بھترین ذریعہ ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 4۔ بندہ جب خواہشات کو ختم کر دیتا ہے تو اسے دولت، استقامت اور علم لدنی نصیب ہوتے ہیں۔ وہ ہر طرح یمن جاتا ہے اور لوگوں کے لیے مشکل کشا۔

☆۔ مقالہ نمبر 5۔ جس طرح قضائے حاجت میں معروف کسی شخص کو دیکھنا مکروہ محسوس ہوتا ہے، اسی طرح کسی دنیا دار کی طرف دھیان مت دو۔

☆۔ مقالہ نمبر 6۔ سب کچھ خدا پر چھوڑ دو، پھر وہ تمہیں علم سکھائے گا۔ اشیاء کی ماہیت بتائے گا۔ لباس معرفت پہنائے گا۔ جب تم اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں میں ڈال کر دو گے، تو وہ تمہیں نئی خصوصیات کیساتھ از سر نو تخلیق کرے گا اور تم میں نئے ارادے پیدا کرے گا۔ انا عند المدکسرة لقلوبہم کا یہی مطلب ہے یعنی میں ان کے دلوں کے ٹوٹنے کے پاس ہوں۔ حدیث قدسی ہے لا یزال عہدی یضرب الہی بالنوافل الحدیث۔ جس کا کیا حال ہے کہ لوگ اچھے ہوں یا بد۔ تم نیک ہو یا بدکار، اپنے آپ سے اور لوگوں سے لا تعلقی ہو جاؤ۔ یاد رکھو کہ غیرہ مشرک اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس بات کا یقین تمہیں قضاء و قدر کے خوف سے بے نیاز کر دے گا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اولیاء کو منزل ملتی ہے۔ اور وہ الہی میں اپنے ارادے کا دخل گناہ عظیم ہے۔ اولیاء سے اگر کبھی ایسا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں خبردار کر دیتا ہے اور وہ فوراً توبہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہی معصوم نہیں ہوتے۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 7۔ اپنے قلب پر بہرہ دو۔ غیر کی خواہش شرمک ہے۔ جو حال و مقام ملے اسے اللہ کی طرف منسوب کرو۔ تعمیر حال کے لیے ہر روز اللہ کی نئی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے۔ لہذا اپنے احوال و دوسروں کو مت بتاؤ، ورنہ وہ سلب ہو سکتے ہیں۔ اللہ سے حال میں اضافے کی درخواست کرتے رہو۔ ما ننسخ من آیتہ او ننسہا فانہا بخیر منها او مثلتها۔ حدیث میں ہے کہ جب میرے قلب کوڑھانپ لیا جاتا ہے تو میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں اور وہ حالت دوسری حالت میں بدل جاتی ہے۔ بندے کے لیے استغفار کی حالت سب سے بہتر ہے۔ اس میں اعتراف قصور ہے۔ قصہ آدم سے مہرت لینی چاہیے۔

☆۔ مقالہ نمبر 8۔ اپنی کیفیت سے اپنی یا اٹنی کی آرزو مت کرو۔ بلکہ شافی درد اڑے پر



پاسان کی حیثیت سے کھڑے رہوں، محل میں داخلے کی اجازت محض بادشاہ کا فریب بھی ہو سکتا ہے۔ داخلے کے پرزدہ حکم کا انتقاد کرو۔ جو چیز تمہارے مقصد میں ہے تمہیں ضرور ملے گی، تم چاہو یا نہ چاہو۔ اور جب قصر شاہی میں داخلے کا اعلان دیکھ مل جائے اور سیز حبس اور بالا خانہ بھی ملے کر جاؤ پھر بھی موزوں، خاموش اور سرنگوں رہو۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آداب شاہی کو ملحوظ رکھو اور خدمت میں مشغول رہو۔ قرب میں خطرات زیادہ ہوتے ہیں۔

☆ مقالہ نمبر 9۔ حدیث شریف میں ہے کہ نماز میں شدت خوف کے باعث نبی کریم ﷺ کے سید مبارک سے جوش کھاتی ہوئی دیک کی طرح آواز آتی تھی یہ صفت جلالی کا مشاہدہ ہے اور نماز میری آنکھوں کی خشک ہے۔ یہ صفت جمالی کا مشاہدہ ہے۔

☆ مقالہ نمبر 10۔ نفس کی مخالفت کرو۔ لوگوں سے بد یہ و خداری توقع مت رکھو۔ قائل حقیقی اللہ ہے۔ محنت و کوشش محض اسباب ہیں۔ محض اللہ پر اس طرح چھوڑنا کہ اسباب ترک ہو جائیں یہ عقیدہ جبر یہ ہے اور محض خدا کو بھول کر مخلوق کو پوجنا یعنی اسباب پر انحصار کر لینا عقیدہ تقدیر یہ ہے۔ الہام و اورست ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ حرام مٹانا اور مباح مٹانا اچھا کھانا پینا اور نکاح و غیرہ سے بھی اجتناب کرو۔ دراصل یہ بھی نفس ہی کی خواہشات ہیں اور اگر کسی ایسی بات کا الہام ہو جسے تم سمجھتے ہی نہیں مٹا دے کہ ظاہر بزرگ یا آدمی سے جا کر ملو۔ تو اس پر عمل کرنے میں جلدی نہ کرو بلکہ انتظار کرو۔ اگر یہ امر الہی ہو گا تو بار بار ایسی حکم ملے گا یا کوئی ایسی نشانی ظاہر ہوگی جو عالم بالہ لوگوں پر ظاہر ہوا کرتی ہے۔ جس کام کا حکم شرع میں ہے اسے شرع کے مطابق اور جس کا حکم شرع میں نہیں اسے باطنی امر سے انہما م دینے والا محض اہل حقیقت میں سے ہوتا ہے اور جس کام کا حکم باطن سے ہی نہیں وہ خاص فضل الہی ہے، تقدیر محض اور حالت تسلیم ہے۔ اس حالت میں امر کی اتباع یہی ہے کہ بندہ اپنی نفی کر دے اپنے حول و قوت سے بے زار ہو جائے۔ دنیا و آخرت کی کسی چیز کا خواہشمند نہ رہے۔

☆ مقالہ نمبر 11۔ اگر نکاح کی خواہش ہو مگر نازاری ہو تو اللہ سے دعا کرو یا وہ تو نفی دے

دے گا یا خواہش منادے گا۔ شکر کرو ان شکر تو لا یندکم۔ مہر کرو، بے شک مہر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 12۔ محبت نعمت سے نہیں، نعم یعنی نعمت دینے والے سے کرو۔ اگر تم مولیٰ کے خادم رہو گے تو دولت تمہاری خادم رہے گی۔

☆۔ مقالہ نمبر 13۔ ضرر اور راحت سے جو آتا ہے وہ آ کر ہی رہے گا۔ بس تسلیم و رضا میں فرق ہو جائے۔ مصیبتوں کا راستہ دعاؤں اور بے مہری سے روکنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ اللہ کریم کو تمہارے مبرداستقامت پر خوشی بھی ہے اور فخر بھی۔ خدا کے حکم کو غوث لدی سے سنو اور عمل پیرا ہونے کے لیے قورا متحرک ہو جاؤ۔ اسے سن کر سوچتے ہی نہ رہو۔ تعمیل اور محنت سے کام لو۔ اگر اس کی تعمیل سے خود کو عاجز پاؤ تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ گڑبگڑاؤ اور معافی چاہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سب ذمہ داریوں کی وجہ سے تم تعمیل حکم میں ناکام ہوئے اور اطاعت سے معزول ہوئے۔ خدا کے احکام پر عمل پیرا ہو جاؤ، تمام کائنات تمہارا حکم مانے گی اور تمہیں کن ٹکٹوں کی طاقت ملے گی۔

☆۔ مقالہ نمبر 14۔ نفس کے بندوں کو چاہیے کہ صاحبانِ حال اور صالحین باللہ کا مقابلہ نہ کریں۔ ان کی راہ میں تو ان کے اسلاف و اخلاف بھی رکاوٹ نہ بن سکے اور یہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 15۔ جب تم نے خدا سے ناپہرہ لیا ہے تو پھر زبان بند رکھو اور دل میں خیال بھی مت لاؤ۔ اس لیے کہ دل میں خیال و خواہش کا کرنا اور زبان سے مانگنا ایک ہی چیز ہے۔ عزت و ذلت دینے میں خدا کی ہر روزی شان ہوتی ہے۔ کسی کو طہین تک نہ نصیب بخلا ہے اور کسی کو اصل سائین تک گرا دیتا ہے۔ پہلا طبقہ چاہتا ہے کہ اس مقام لدی سے گرانہ دیے جائیں۔ دوسرا طبقہ خائف رہتا ہے کہ کہیں ہمیشہ اسی پستی میں نہ رہنا پڑے۔

☆۔ مقالہ نمبر 16۔ آقا نے دو عالم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق حلال روزی

حاصل نہ کر دے تو یہ شرک ہوگا۔ پھر اگر مخلوق سے قطع تعلق کر کے کسب کی طرف راغب ہو گئے تو یہ بھی شرک ہوگا، اگرچہ یہ اس پہلے شرک کی نسبت نفی ہے۔ اگر اس سے بھی توبہ کر کے محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر مذاقیت کا یقین کر لو گے تو خدا تمہیں رزق دے گا جہاں سے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ پھر جب تمہارے دل میں ارادہ اٹھی کے سوا کسی چیز کی رغبت نہیں رہے گی تو جب خدا چاہے گا تمہاری قسمت کا حصہ تمہیں عطا فرما دے گا۔ پھر تمہیں مخلوق سے مزید دور کر دیا جائے گا۔ تمہارے ہاتھ میں صرف اللہ رہ جائے گا، ہینڈ کل جائے گا، دل منور ہو جائے گا۔ قریب خداوندی اور عزت و منزلت ملے گی۔ پھر تمہیں یہ چکا دیا جائے گا کہ بزرگی اور کرامت کے باعث تمہارا خاص حصہ تمہیں کب ملے گا۔

(۱)۔ وجعلنا منہم ائمۃ یہدوٰن بامرنا (۲)۔ الذین جاہدوا فلینالہم منہم سلطان (۳)۔  
 انشوا اللہ (۴)۔ ویعلمکم اللہ، یہاں تصرف کی اجازت ہوتی ہے اور کن لگاؤ کی طاقت ملتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 17۔ مخلوق سے القطاع، خود کو خدائی افعال کے تحت کر لینا اور اپنی حرکت و ارادے کو چھوڑ دینا قنایت کی یہی حالت خدا تک رسائی ہے۔ قریب الہی کے مراتب الگ الگ ہیں۔ انبیاء و اولیاء کے ساتھ خداوند کریم کے معاملات جدا گانہ ہیں، کسی ایک کے راز کو خدا کے سوا دوسرا نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ عالم روحانیت میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کے رموز سے اس کے شیخ کو اطلاع نہیں ہوتی اور شیخ کے اسرار سے مرید واقف نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ ہاتھی ارتقاء کے لحاظ سے مقام شیخ کی دلیل تک پہنچ جاتا ہے۔ مرید جب شیخ کی حالت و کیفیت اور اس کے مقامات تک رسائی حاصل کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے شیخ سے جدا کر دیتا ہے اور اسے اپنی ولایت میں لے کر سب مخلوق سے جدا کر لیتا ہے۔ کلیتہً شیخ وہ ہو جاتی ہے جو دودھ پلانے والی دانی کی دو سال کے بعد۔ اسے مخلوق میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ مرید کو سوز و زیاں، عطاء و منہج، خوف و امید کے عالم میں خدا کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ وہ تمام دنیا سے یوں بے نیاز ہو جاتا ہے

جیسے ایک مرد ملاش سے انسان کو ناامیدی اور بے نیازی ہوتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 18۔ اگر تم تکلیف میں شکر بھالانے کو جھوٹ سمجھتے ہو تو یہ جھوٹ شکایت کرنے کے کج سے بہتر ہے۔ کسی کو اپنے حالات مت بتاؤ۔ وان یسک اللہ یضر فلا کاشف لہ الا ہوال آیا اگر تمہارا گوشت قیمچی سے کھڑے کھڑے بھی کر دیا جائے تو پھر بھی شکایت نہ کرو۔ جان لو کہ انسان پر جو بھی مصائب نازل ہوتے ہیں وہ اپنے رب سے شکایت کی وجہ سے نازل ہوتے ہیں۔ طبعی میلان نہ ہونے کے باوجود جہاد مرض کیا گیا ہے عسی ان لکرو ہواشیئاً و ہو خیر لکم ال آی

☆۔ مقالہ نمبر 19۔ تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ تمہیں اس طرح دعوت دی جائے گی ”بے شک تم آج امانت دار کی حیثیت سے ہمارے پاس ٹھہرو“ جب یہ دعوت تمہیں بار بار دی جائے تو سمجھ لو کہ تم خاص بندوں میں شمار ہونے لگے ہو۔ پھر تمہارے دل سے ہر فرض اور ہر ارادہ اس طرح نکل جائے گا جس طرح سوراخ والے برتن میں پانی نہیں ٹھہرتا۔ خدا کی رضا تمہیں مل جائے گی اور افعال خداوندی کی لذت و نعمت بھی مل جائے گی۔ اس وقت تم سے کوئی اطمینان بخش وعدہ کیا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں تمہارا کوئی ارادہ پایا گیا تو اس وعدے کو اور ارفع کر دیا جائے گا۔ پھر جب اس سے زیادہ کوئی ارادہ تمہارے دل میں نہ رہا تو پھر اس وعدے سے خرید اٹلی وعدے کی طرف تمہیں لے جایا جائے گا اور یہ مہربانی، ارادہ ختم ہونے کے استثنائی وجہ سے ہوگی۔ معرفت اور علم کے دروازے تم پر کھلیں گے۔ اسوہ کی اصلیت، رموز کی حقیقت اور ایک وعدے سے دوسرے وعدے کی طرف رجوع کی خفیہ مصلحتیں بتادی جائیں گی۔ حقائق و حقائق کے باعث مرتبے میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ رموز و اسرار کی حقائق کے سلسلے میں دیانت و امانت کے باب میں تمہارا رتبہ بڑھ جائے گا۔ تمہارا سید کھول دیا جائے گا، دل میں نور، زبان میں فصاحت و زیادہ ہوگی۔ پھر تم محبوب مخلوق بن جاؤ گے۔

☆۔ مقالہ نمبر 20۔ حدیث دع ما یوہیک الی مالا یوہیک مشکوک چیزوں سے بچو، مخلوق

سے خوف اور امید نہ رکھو۔ عطیات و نذر و نیاز پر نظر نہ رکھو، یہ تو اللہ کے حکم سے آتے ہیں۔ خدای سے مانگو۔

☆۔ مقالہ نمبر 21۔ میں نے ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۹۱ھ اتوار کے دن خواب دیکھا۔ میں نے ابلیس کو مارنا چاہا۔ اس نے کھینا سا ہو کر فس کر کہا کہ تھکر شر کے ساتھ جاری ہو تو میں اسے خیر میں نہیں بدل سکتا اور اگر شر کے ساتھ جاری ہو تو اسے شر میں نہیں بدل سکتا۔

☆۔ مقالہ نمبر 22۔ جتنا کسی کا ایمان قوی ہوگا اتنا ہی امتحان قوی ہوگا۔ ابدال سے نبی، نبی سے رسول اور سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ کا ایمان قوی ہے اور امتحان بھی سب سے عظیم۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو صراطِ مستقیم پر چلانا چاہتا ہے تو ہدایات میں جھٹکا کر دیتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 23۔ جو کچھ ملے اسی پر قناعت کرو۔ یاد رکھو اگر طلب نہیں کرو گے تو بھی تمہارا حصہ ضائع نہیں ہوگا اور جو قسمت میں نہیں وہ کوشش سے بھی نہ ملے گا۔ اپنے اپنے کئے کے عمل میں اپنی تدبیر سے کام مت لو۔ تم اس کی قضا سے بھگڑا نہیں کر سکتے۔ وہ تمہارے کئے سے اڑا دے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 24۔ عبادت کا بدلہ نہ چاہو۔ حصولِ رجب کے لیے عبادت مت کرو۔ خدا کے ہاں تمہارا کوئی حق نہیں، تم محض بندے ہو اور تمہاری ہر چیز اپنے آقا کے لیے ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 25۔ امیروں کے ایمان کا درخت کمزور ہوتا ہے اور اس چیز سے خالی ہے جس چیز سے فقیروں کے ایمان کا درخت بھرا ہوا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 26۔ جب تک نفسِ امارہ مر نہ جائے اپنے اعمال پر شہید نہ رکھو۔ قہرِ خلق کی غرض سے یہ مان نہ کرو۔ جب اللہ کو منظور ہوگا لوگ کلے پلے آئیں گے اور اس وقت خود بینی کا فقر بھی پیدا نہ ہوگا۔ اگر کوئی غریب صورت یہی تمہاری قسمت میں ہے تو اس کی کفالت کے لیے تمہیں بہت کچھ مل جائے گا۔ اس صورت کے باعث تمہیں معاشی فراخی ملے گی۔ اگر چنا مقدر میں ہے تو وہ ملے گا۔ خدا سے ڈرو مگر جھکاؤ نہ کرو۔ تمہارا مقدر تمہیں ملی کر رہے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 27۔ خیر اور شر ایک ہی درخت کی دو شاخوں کے پھل ہیں۔ شر ایک ہی دفعہ کھایا تو زہر کی طرح ہلاک کر دے گا۔ جب کہ خیر کا پھل زندگی بھر بار بار کھانا پڑتا ہے، صبح و شام کھانا پڑتا ہے اور ساتھ ہی شر والی ٹہنی سے احتیاط بھی رکھنا پڑتی ہے کہ کبھی شر کا پھل ہاتھ میں نہ آ جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 28۔ جب تک نفس میں کبھی ہی خواہش یا دنیوی دائروی جزا کی تمنا موجود ہے تم فنا کے دروازے پر ہی رہو گے اور نہیں جاسکتے۔ جنت سے کام نہ لو، قضاء و قدر پر راضی رہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 29۔ فقر پر صبر کرنے والے کو حیرانگر فقر میں رکھا جائے تو ممکن ہے عکاسیت کر بیٹھے۔ کاد الفقر ان یکنون کفرا کا مصداق بنے۔ نعوذ باللہ من ذالک

☆۔ مقالہ نمبر 30۔ مت سوچو کہ کونسا عمل کون سی تدبیر کروں۔ تمہارے لیے مناسب یہ ہے کہ تم جس حالت میں ہو اسی میں ٹھہرو جب تک خداوند تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کشادگی نصیب نہ ہو جائے۔ اصبوا و صابروا و ابطوا۔ حدیث میں ہے کہ جس طرح جسم کے لیے سر ہے اسی طرح ایمان کے لیے صبر ہے۔ ومن یطی الله جعل له صبراً جا

☆۔ مقالہ نمبر 31۔ کسی سے بغض ہو جائے تو دیکھو کہ اللہ کا منطیع ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو تمہارا بغض غلط ہے اسے محبت سے بدل دو۔ یونہی الحب علی الله والبغض علی الله

☆۔ مقالہ نمبر 32۔ جس بندے کو کسی چیز سے محبت ہوتی ہے وہ چیز ضائع ہو جایا کرے تو ایسا بندہ محبوبِ خدا ہے۔ واصل غیرتِ خدا دنی سے اپنی طرف الگ کرنا چاہتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 33۔ لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اول جس کے پاس زبان ہے نہ دل، غافل محض۔ ایسوں کو دعوت دو۔ دوم جن کے پاس زبان ہے دل نہیں، بے عمل علامی۔ ایسے منافقوں سے اللہ کی پناہ۔ سوم جن کے پاس دل ہے زبان نہیں۔ عزت نشین، خاموش، اپنے محبوب پر نظر رکھنے والے۔ ایسوں کی ہم نشینی قائم ہوتی ہے۔ چہارم جنہیں عالم سکوت میں عزت

اور بزرگی حاصل ہے۔ خدائی اسرار و علوم کے امین۔ اصلاح خلق پر مامور۔ انبی آء علیہم السلام کے ہاتھین، انسانیت کے جوہر خاص اور انبی آء کے بعد سب سے بڑے مرحلے پر قائم۔ ان کی جماعت مت کرو۔

☆۔ مقالہ نمبر 34۔ فراشی کا انتظار کرو۔ دعا کرتے رہو۔ دعا نہ کرنا اور اجلاء سے موافقت کر لینا بھی درست ہے۔ جب کہ دعا کرنا اور قبولیت میں جلدی نہ کرنا بھی درست ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 35۔ حدیث میں ہے کہ شاہی چماگاہ کے اندر گرد چرنے والے کے لیے بعید نہیں کہ اس میں منہ مار لے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دس حلال اشیاء میں سے نو چیزوں کو حرام میں پڑنے کے بعد شے کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مباح کے ستر دروازے اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ کہیں گناہ میں لوٹ نہ ہو جائیں۔ یاد رکھو! خلعت میں خطرہ اور عزیت میں سلامتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 36۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی نیت سے آخرت نہیں دیتا بلکہ آخرت کی نیت سے دنیا دیتا ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ میرے اعمال کی متابعت سنت ہے اور میری ہاتھی حالت توکل اختیار کرنا ہے۔ معلوم ہوا کہ تم حضور کی سنت اور ہاتھی حالت کے درمیان ہو۔ اگر تمہارا ایمان مستحکم نہیں تو سنت پر عمل کرتے رہو اگر ایمان ہلکا ہے تو پھر توکل کی حالت اپنالو۔ قرآن و سنت سے تمہارا بندہ کرو۔ اس پر عمل کر کے ہی ولایت و اہدایت و غوثیت مل سکتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 37۔ حدیثیں کو کھا جاتا ہے جس طرح آگ گلائی کو (اللہ یث۔) حمد کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے دسترخوان کے بچے ہوئے گلے کھانے والے کتے پر حمد کیا جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 38۔ اس چیز کا دعویٰ نہ کرو جو تمہیں حاصل نہیں۔ تقوا و قدر کے جوہر تمہیں بخشی کرنے آتے ہیں ہلاک کرنے نہیں، ان کا نشانہ بن کر غمشات کا شکار ہو جاؤ گے۔ جو شخص خدا کی راہ میں ہلاک ہوتا ہے اس کا اجر خود خدا کے شان کرم کے ذمے ہوتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 39۔ عظم خداوندی کے بغیر کسی چیز کو لے لینا خدا کی مخالفت اور حکم ملنے پر خواہش کے بغیر لے لینا مخالفت ہے، اسکی فحش کو چھوڑنا زیادہ دفاعی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 40۔ روح جب اعضاء و جوارح کے بندھن سے آزاد ہو جائے گی اور تم سراپا روح بن جاؤ گے تو سر اسر اور غیب الغیب ہو جاؤ گے گویا مرنے کے بعد دوبارہ اٹھے ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 41۔ جب طالب فیض و معنایات کو دیکھتا ہے تو مغرور ہو جاتا ہے کہ یہ حالت ہمیشہ کے لیے ہے۔ مگر اسے تکالیف میں جکڑا کر دیا جاتا ہے۔ چاروں طرف سے جکڑ دیا جاتا ہے۔ ذرا گمے جا سکے نہ بیچے۔ نہ کوئی کیا ہوا وعدہ پورا ہو۔ نہ بزرگی ملے نہ خدمت پر عمل کر سکے نہ کوئی مرضی پوری ہو۔ یہاں نفس کھینچنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ خواہشات ختم ہونے لگتی ہیں اور محض روح باقی رہ جاتا ہے اور اب طبعیہ السلام کی طرح وہی آواز سناتا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر مارو نہانے، پہنے کا غصہ پانی پاؤں گسے۔ پھر لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 42۔ غلی پر صبر کرو۔ افعال خداوندی کی مصلحت و حکمت کو بندوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ہر غلی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔



☆۔ مقالہ نمبر 43۔ جو خدا کو جان لے گا وہ مخلوق سے کبھی سوال نہیں کرے گا۔ اور اللہ سے حیا کرے گا۔

☆۔ مقالہ نمبر 44۔ خوف اور امید آخرت تک چلتے ہیں۔ دعا اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ امید غالب نہ آجائے۔ وہاں لیے بھی کہ خواہش کرنا حاصل شریک ٹھہراتا ہے البتہ سوال کرنے کا حکم ملے تو تعمیل ضروری ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 45۔ مصائب تین وجہ سے آتے ہیں۔ اول جرم کی سزا دوم گناہوں کو زائل کرنے کے لیے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس میں شکوہ کیے بغیر صبر نصیب ہو جاتا ہے۔ اس انتظار میں دوستوں سے شکایت نہیں کرنی چاہیے۔ سوم بھدئی منازل۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ فعل



خداوندی پر رضاء و موافقت پائی جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 46۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول پر اثناء لاتا ہے۔ اسے دولت دیتا ہے۔ مگر ممکن لیتا ہے۔ سوال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مگر سوال سے  رکھتا ہے اور سنت پر چلتا ہے یعنی کسبِ حلال۔ مگر ہر کسب کو بھی مشکل کر دیتا ہے۔ پھر اسے الہام کرتا ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ ایسے حکم کو بھالانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ فہم کو مارنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ مگر سوال سے  لایا جاتا ہے۔ پھر اسے صرف اللہ ہی سے سوال کرنے کی طرف پھیرا جاتا ہے۔ اگر سوال نہ کرے چپ رہے تو اسے نہیں ملتا۔ پھر ذاتی سوال کی بجائے دل سے سوال کرنے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ زبان سے کچھ نہیں کہتا۔ پھر اسے اس سے بھی ہٹا دیا جاتا ہے۔ بغیر مانگے دیا جاتا ہے۔ محض خطرہ دل پر مٹا ہو جاتی ہے۔ یہ حال سنا ہے جو اولیاء و ابدال کی انتہا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 47۔ خواب میں مجھ سے کسی یوز سے نے پوچھا کہ رب کا قرب کیسے ملتا ہے میں نے کہا اس کی ابتدا اور مع سے ہے اور انتہاء تسلیم و رضا اور جو کل پر۔

☆۔ مقالہ نمبر 48۔ فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہونا یا سنت کو چھوڑ کر نفل کو لینا ایسا ہے جیسے قرب و ولادت میں حمل کر جائے۔

☆۔ مقالہ نمبر 49۔ حرام سے بچو حلال کھاؤ۔ محض اپنی خواہش کے زیر اثر حلال کھانے میں بھی کوئی خیر نہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 50۔ نعمت و عطاء کے وقت یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حقوق و اسباب کے ذریعے اس طرح کھاتا ہے جیسے وہ خود کھاتا رہا ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 51۔ جو حقوق سے بے رغبت ہوتا ہے۔ حقوق انکی طرف راغب ہو جاتی ہے۔ اللہ کا متولی بن جاتا ہے۔ ان ولی اللہ الذی نزل الکتاب و هو یعولی الصالحین۔

☆۔ مقالہ نمبر 52۔ بعض بندوں کو جگہ ما حتماً صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ دعا کریں اور

اللہ انہیں عطا کرے۔ یہ مطالبہ خیر سے بھی ہو سکتی ہے۔ جلت نہیں کرنی چاہیے۔

☆۔ مقالہ نمبر 53۔ جو کچھ دوسروں کو حاصل ہے اسے زیادہ اچھا خیال کرتے ہوئے اس کی غلب میں مت لگو۔ تمہاری ہمت جھک جائے گی۔ زندگی ختم ہو جائے گی اعمال نامہ سیاہ ہو جائے گا مگر وہ بچ نہ سکے گی۔

☆۔ مقالہ نمبر 54۔ جب تک دل سے ہر غماض غم نہیں ہوتی آدمی زاہد کہلانے کا حق دار نہیں۔ مثلاً دولت، علم، فق، حدیث، قرآن، نکاح و ساری، سکونت و غیرہ

☆۔ مقالہ نمبر 55۔ حصول لذت و مفاد چار طرح سے ہوتا ہے۔ اول اپنے نفس کی خواہش سے، یہ حرام ہے۔ دوم شرعی حکم کے مطابق کوئی کام کرنا، یہ حلال اور مباح ہے۔ سوم حکمِ باطن سے کوئی کام کرنا، یہ ارادے کا زوال مقامِ ابدایت ہے اور بندہ مرادِ بکن جاتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 56۔ جب نفس مر جاتا ہے اور بندہ راضی برضا ہو جاتا ہے تو اس سے کیا ہوا دھڑ پھڑ نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے انسان اپنے ساتھ کیا ہوا دھڑ خود پھڑاند کر رہا ہو کیونکہ اس مقام پر بندہ خود خدا کا فضل اور ارادہ بکن جاتا ہے۔ قرآن نے نبی کریم ﷺ کو اس مقام کی طرف متوجہ فرمایا۔ تریدون عوض الدنیا والظہیر ید الاخرة واللہ عزیز حکیم لو لا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم

☆۔ مقالہ نمبر 57۔ جب انسان باطنی لذت سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو اسے بسط کی حالت دے دی جاتی ہے۔ یہاں اسے وہی لذتیں حاصل کرنے کا حکم ہوتا ہے جو اس نے چھوڑی تھیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 58۔ اطراف سے آنکھیں موندلو۔ نظر سیدھی اپنے آقا و مالک پر رکھو۔ قرب کی راہ آسان ہو جائے گی۔

☆۔ مقالہ نمبر 59۔ ختمِ حقیقی پر نظر رکھو نہ کہ تحائف لانے والے غلام پر۔ دفعِ بلا کے لیے سچی

☆۔ مقالہ نمبر 60۔ سلوک کی ابتداء یہ ہے کہ عادت و طبیعت کو چھوڑ کر شریعت اختیار کی جائے۔ دوسرا درجہ تضاد قدر کی طرف آنا ہے۔ تیسرا درجہ شرعی حدود کی حفاظت و نگہداشت کے ساتھ عادت و طبیعت کی طرف پلٹ آنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز، فرقہ عین فی الصلوٰۃ۔ ہر دلی کی ایسی حالت ہے کہ اس کے قیام کرنے کے بعد اس کی قسمت اور مقصدیات طبع حدود شرعی کے ساتھ اسے لوٹا دیے جاتے ہیں۔ احتیاط سے ابتداء کی طرف واپسی کے یہی معنی ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 61۔ بندے کو شریعت کے حدود توڑنے سے اس طرح بچایا جاتا ہے جیسے یہ کام اسے سونپ کر اسے اجازت دے دی گئی ہے اور اس کے لیے یہ چیز جان کر دی گئی ہے۔ اس حالت سے بڑھ کر کوئی حالت نہیں ہے اور یہی اصل غایت ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 62۔ کسی کے تقرب و عطا و نفا پر حسد نہ کرو۔ اللہ کی ذات پر نگاہ رکھو۔

☆۔ مقالہ نمبر 63۔ میں نے خواب دیکھا کہ رہا ہوں کہ تو باطن میں اپنے نفس کو، ظاہر میں مخلوق کو اور عمل میں اپنے ارادے کو خدا کا شریک کرتا ہے۔ کسی نے مجھ سے پوچھا یہ کبھی بات ہے میں نے جواب دیا۔ یہ معرفت کی ایک قسم ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 64۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے میری تجلیں ترین خواہش یہ ہے کہ مجھے ایسی موت ملے جس میں حیات نہ ہو اور ایسی حیات ملے جس میں موت نہ ہو۔ اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ میں اپنی ہم جنس مخلوق سے یوں مر جاؤں کہ ان میں زندہ بھی رہوں اور ان میں پایا بھی نہ جاؤں۔ ثانی الذکر سے مراد یہ ہے کہ میں اپنے پروردگار کے فضل میں زندہ رہوں اس طرح کہ میرا وجود نہ ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 65۔ مالک کو رحمت میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ یہ ظلم نہیں۔ جو فعل خداوندی تمہاری طبع اور خواہش نفس کے خلاف ہو اس پر اعتراض کرتے ہو۔

☆۔ مقالہ نمبر 66۔ یہ مت کہو کہ میں دعا کروں نہ کروں میرا مقدر مجھے مل جائے گا۔ دعا ضرور کرو۔ دعا کا تواللہ نے حکم دیا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 67۔ جب نفس جہاد میں قتل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تاکہ انسان اس کا مقابلہ کرتے ہوئے ترقی پائے۔ یہی معنی ہے رجعتنا من الجہاد الاصلی الی الجہاد والاخیر کا۔

☆۔ مقالہ نمبر 68۔ بندے کا سوال ارادہ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو دعا مقبول مانی جاتی ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 69۔ اللہ سے سداہد کتابوں کی معافی اور آئندہ کتابوں سے بچنے کی توفیق مانگو۔ حسن اطاعت، رضا، صبر، شکر اور خالقہ بالخیر ہونے کی دعا مانگو۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت طلب کرو۔

☆۔ مقالہ نمبر 70۔ خیر کو خدا کی طرف اور شر کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرو۔

☆۔ مقالہ نمبر 71۔ مرید اور مریدوں پر امتحان آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے بڑا امر اور کوئی نہیں مگر ابتلا و سب سے زیادہ ہوا۔

☆۔ مقالہ نمبر 72۔ بازار ہانے والے پانچ قسم کے ہیں۔ اول نفس کے بندے، دوم جبر و تکلف سے کام لے کر بچنے والے، سوم جو نعمتوں پر شکر خدا کرتے ہیں، چہارم جو بظاہر بازار والوں سے بات کرتے ہیں مگر دینار خداوندی میں مصروف ہوتے ہیں، پنجم جو بازار کے لوگوں پر رحم کھاتے اور اودان کے لیے دعا کرتے ہیں۔

☆۔ مقالہ نمبر 73۔ اولیاء کو لوگوں کے محبوب و کمالات پر آگاہی مل جاتی ہے۔ وہ بھی کبھار کسی مصلحت سے انہیں ظاہر بھی کر دیتے ہیں۔ ان کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہوتا۔ بلکہ ممکن ہے اسے عیب کھول دینے سے ہدایت مل جائے۔ سکوت کھو۔ ولی پر غیبت کا الزام مسترد۔

☆۔ مقالہ نمبر 74۔ حائل وہ ہے جو پہلے اپنے وجود کی حالت اور ہیئت و ترکیبی پر غور کرے، پھر ساری مخلوق اور مختلف ایجادات پر غور کرے اس طرح اسے خالق اور مخلوق کی ایجاد پر دلیل دستياب ہو جائے گی۔ یہ تفسیر ہے اس آیت کی *هو الذي سخر لكم ما في الارض جميعا*۔ یہ تفسیر حضرت ابن مہاسین ؓ نے کی ہے اور کیا ہی خوب تفسیر کی ہے۔ دراصل ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی نہ کسی اسم کا ظہور ہے۔ انکی ذات اس کی صفت میں اور صفت فعل میں پوشیدہ ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 75۔ تصوف کو علم سے نہیں نری سے شروع کرو۔ علم وحشت پیدا کرتا ہے اور نری انس۔ تصوف کی اساس آٹھ چیزوں پر ہے۔ حضرت ابراہیم کی سخاوت، حضرت اسحاق کی رضا، حضرت ایوب کا صبر، حضرت زکریا کی مناجات، حضرت یحییٰ کی غربت و مسافرت، حضرت موسیٰ کا لباس صوف، حضرت عیسیٰ کی سیاحت اور آقائے دو عالم جیسے فقر۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

☆۔ مقالہ نمبر 76۔ امیروں سے ملو تو غرور داری اور وقار کے ساتھ۔ فقیروں سے ملو تو عاجزی کے ساتھ۔ چوٹے پر حملہ کرنا نامردی، بڑے پر حملہ کرنا بے حیائی اور براہِ دالے پر حملہ کرنا بد اخلاقی ہے۔ جو قوم پر ظلم کرے اس کو دعا دو اور ظلم سے حفاظت کی امید خدا سے رکھو۔ صبح و شام سات مرتبہ یہ دعا پڑھا کرو۔ *اللهم اجونا من النار اور اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم اور هو الله الذي لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم* سورہ حشر کے آخر تک پڑھا کرو۔

☆۔ مقالہ نمبر 77۔ زہد ایک سامت کا کام ہے، تقویٰ دوسامت کا، اور معرفت خدا دوسری داغی ہے۔ مخلوق کے وجود کو نظر انداز کر کے خدا کے ساتھ رہو۔ رب تعالیٰ کے سوا باقی سب تمہارے دشمن ہیں۔ ایک بندہ ہوا اور ایک اس کا رب ہو۔ بس۔

☆۔ مقالہ نمبر 78۔ اولو العزم سالکوں کی دس محصلتیں ہیں۔ اول قسم نہ کھائے، بکلی ہو یا جھوٹی۔ دوم جھوٹ نہ بولے خواہ مذاق ہو۔ سوم دھندہ دغا کرے ورنہ وعدہ کرے ہی مت۔ چہارم

کسی مخلوق پر لعنت نہ کرے۔ بنجم کسی کے لیے بددعا نہ کرے خواہ اس نے عزم کیا ہو۔ ششم اصل قبلہ میں سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر، شرک یا انفاق کی گواہی نہ دے۔ ہفتم ظاہر باطن اعضاء و جوارح کو معاصی سے بچائے۔ ہشتم کسی مخلوق پر بوجہ نذالے بلکہ سب کا بوجہ خود اٹھائے۔ نہم کسی سے حرص و طمع نہ کرے۔ دہم تواضع کرے۔ یہ خصلت سب اطاعتوں کی اصل اور فرع اور کمال ہے۔ بڑے، چھوٹے، ہم عمر، عالم، جاہل حتیٰ کہ کافر کے مقابلے پر بھی تواضع کرے اور دل میں اسے خود سے افضل کہے۔ ایسا شخص نہ کسی کا لگھ کر رہتا ہے نہ سن سکتا ہے۔

☆۔ مقالہ نمبر 79۔ اپنے صاحبزادے حضرت عہد الوہاب قدس سرہ کو وصیت فرمائی کہ کسی سے نڈارتا سوائے خدا کے۔ اسی سے مانگتا، تو حید پر رہتا۔

☆۔ مقالہ نمبر 80۔ عزم منسوخ ہو سکتا ہے۔ عزم منسوخ نہیں ہوتا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عہد العریض، حضرت عہد البیاد اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا تذکرہ اس مقالے میں ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْإِتْلَافُ

\*\*\*\*\*

## سلسلہ طیبہ قادریہ

الحمد للرب العلمین والصلوة والسلام علی رسولہ

وعلی آلہ واصحابہ اجمعین امابعد ا

ہذہ سلسلہ مشائخ الطریقۃ القادرۃ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

۱۔ الہی بھرت سید اکوئیں رسول التحقین محبوب رب العظیم خاتم النبیین

حضرت سیدنا محمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تسلیماً

۲۔ الہی بھرت نصیب الموحدین شمس المشارق والمغرب امیر المؤمنین سیدنا  
علی ابن طالب رضی اللہ عنہ۔

۳۔ الہی بھرت شیخ المشائخ قدوة العلماء الربانین حضرت خواجہ حسن بھری  
رضی اللہ عنہ۔

۴۔ الہی بھرت شیخ المشائخ حضرت خواجہ حبیب عجمی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۵۔ الہی بھرت شیخ المشائخ حضرت خواجہ داؤد طائی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۶۔ الہی بھرت شیخ المشائخ سید الطائفہ حضرت خواجہ معروف کرخی قدس اللہ  
تعالیٰ سرہ۔

۷۔ الہی بھرت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سزئی مقفی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۸۔ الہی بھرت شیخ المشائخ سید الطائفہ حضرت خواجہ جمیل بغدادی قدس اللہ

تعالیٰ سرا۔

۹۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوبکر شہلی قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۱۰۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز حمی  
قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۱۱۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوالفرح طرطوسی قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۱۲۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی الحسن علی بن محمد یوسف القرشی (ہکاری)  
قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۱۳۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابی سعید المبارک الحزازی  
قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۱۴۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ محبوب حقانی قلعہ صمدانی حضرت خواجہ شیخ علی الدین  
پیر دہلوی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۱۵۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالوہاب قدس اللہ تعالیٰ  
سرا الاقدس۔

۱۶۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید ضوفی قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۱۷۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ احمد قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۱۸۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید مسعود قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۱۹۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید علی قدس اللہ تعالیٰ سرا۔

۲۰۔ الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شاہ میر قدس اللہ تعالیٰ سرا۔



۲۱۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۲۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید محمد غوث قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۳۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۴۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ عبدالرزاق قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۵۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید حامد محمد شاہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۶۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۷۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۸۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید عبدالقادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۲۹۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شمس الدین محمد قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۳۰۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ حامد شاہ مہج بخش قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۳۱۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ سید شمس الدین محمد صالح شاہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۳۲۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ فرد الحقیقہ حضرت خواجہ سید عبدالقادر حسین قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۳۳۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ سراج الواصلین، فخر العاشقین، محبوب النبی علیہ افضل الصلوات والتسلیمات حضرت سید محمد باحسینی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔

۳۴۔ الہی بحرمت شیخ المشائخ شیخ الاولیاء محمدی السید النبی پتہ تاجی آجمل الہدیہ بدوۃ السالکین موصل الطالبین الی مطالبہم حضرت الشیخ السید محمد راشد رضی اللہ سبحانہ و تعالیٰ عنہ۔

۳۵۔ النبی بحرمۃ شیخ الشارح حضرت جبرسائیں محمد۔ یسین شاہ المعروف جبرسائیں  
جگہ والے قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۳۶۔ النبی بحرمۃ شیخ الشارح جبرسائیں رشید الدین شاہ صاحب المعروف بیعت  
کے مالک قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۳۷۔ النبی بحرمۃ شیخ الشارح جناب فیض مآب قطب الاقطاب سراج الواصلین،  
فخر العاشقین، محب النبی علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات حضرت جبرسائیں سید امام  
الذین شاہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۳۸۔ النبی بحرمۃ شیخ الشارح و قطب الاقطاب فیض مآب سید العارفین و فخر  
العاشقین حضرت جبرسائیں محمد قاسم محدث مشوری قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس۔

۳۹۔ النبی بحرمۃ شیخ الشارح و قطب الاقطاب حضرت سخی سائیں محمد عرف سائیں  
نالے مشاقدس سرہ الاقدس۔

۴۰۔ انسک بمشاہد الکرام، بفضل اللہ الکریم و بکرم رسول الکریم، التوسل الی جناب  
اللہ العظیم، بمشاہد السلسلۃ العظیر غلام رسول القاسمی۔

وَعَاظِنَا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

\*...\*...\*